

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (آل عمران: 18)

علم اور تقویٰ

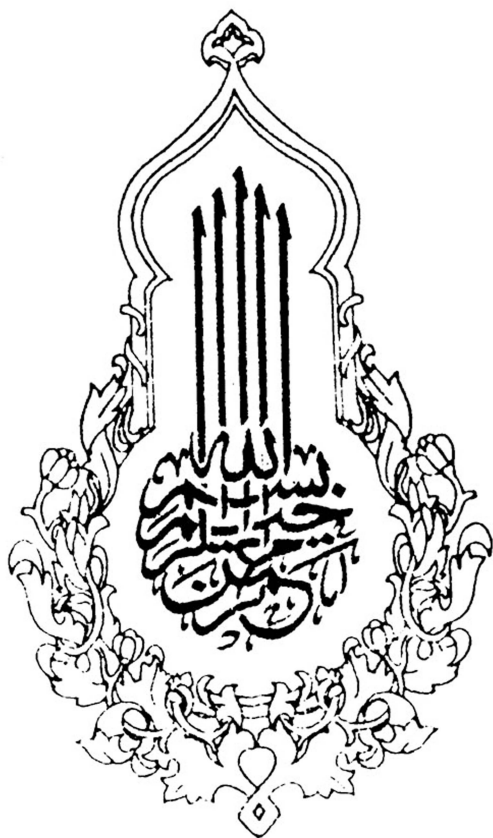
تألیف: ابو حمزہ عبد الخالق صدیقی



تخریج و اضافہ: حافظ حامد مودودی انصاری، حافظ حبیب الرحمن

انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

WWW.IRCPK.COM



فہرست مضامین

صفحہ نمبر

عنوان

نمبر شمار

11

تقریباً

پہلا حصہ

باب نمبر: 1

اخلاص نیت

29 نیت خالص نہ ہونے کا انجام ❀

باب نمبر: 2

علم کی اہمیت اور فضیلت

34 علم، خشیت الہی کا ذریعہ ہے ❀

36 علم اور جہالت برابر نہیں ❀

37 جہالت صرف طلب دنیا کا باعث ہے ❀

38 سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جہالت سے پناہ مانگنا ❀

38 کسی کا مذاق اڑانا جہالت کی علامت ہے ❀

39 امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو جاہلوں سے اعراض کا حکم ❀

39 جہالت اور بندہ رحمان کا کوئی جوڑ نہیں ❀

39 سیدنا نوح علیہ السلام کو وقوع جہالت کی وجہ سے تنبیہ ❀

40 سیاحت سے جہالت ختم ہو جاتی ہے ❀

41 جاہل اندھے کی مانند ہے، خیر و شر میں تمیز نہیں کر پاتا ❀

42 جہالت قرب قیامت کی نشانی ہے ❀



- 42 علم اور دُعا ❀
- 42 پہلی دُعا ❀
- 43 دوسری دُعا ❀
- 43 تیسری دُعا ❀
- 44 چوتھی دُعا ❀
- 44 پانچویں دُعا ❀
- 44 چھٹی دُعا ❀
- 45 ساتویں دُعا ❀
- 45 پہلی وحی تعلیم و تعلم کے متعلق نازل ہوتی ہے ❀
- 45 ہر معاشرہ سے ایک گروہ ضرور علم حاصل کرے ❀
- 46 طلب علم فرض ہے ❀
- 46 علم وراثت انبیاء علیہم السلام ہے ❀
- 47 علم نور ہے ❀
- 48 علم بلندی درجات کا سبب ہے ❀
- 48 علم حکمت ہے ❀
- 49 علم و حکمت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ❀
- 50 نبی مکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد تعلیم حکمت ❀
- 51 علم و حکمت ایسی نعمت ہے جس پر رشک کیا جاسکتا ہے ❀
- 51 سیدنا یوسف علیہ السلام اور حکمت ❀
- 52 علم رحمت الہی کا ذریعہ ہے ❀
- 53 علم ایمان ہے ❀
- 56 بیان علم ❀
- 57 کتمان علم کی سزا ❀
- 60 اللہ تعالیٰ کے بارے میں لاعلمی کی بات کہنے کی حرمت ❀



- 62 رسول اللہ ﷺ کی طرف لاعلمی میں کوئی بات منسوب کرنے کی سزا
- 62 لاعلمی گمراہی ہے
- 63 علم یقین کا نام ہے
- 64 علم اور شکر
- 64 علم، اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی سے بچاتا ہے
- 67 علم، یوم آخرت پر ایمان کا درس دیتا ہے
- 68 علم ہو تو دعوت الی اللہ کا کام ضرور کریں
- 71 دعوت الی اللہ کی خاطر مصائب و آلام برداشت کرنا
- 72 داعی الی اللہ کے اوصاف
- 73 دعوت دین کے لیے کمر بستہ ہو جانا
- 75 مبلغین اور واعظین کے لمحہ فکریہ
- 76 اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دینا
- 76 جن اعمال کی طرف لوگوں کو دعوت دے، ان پر خود عمل کرتا ہو
- 77 حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ دعوت دینا
- 78 تکالیف اور مصائب میں صبر کرنا
- 79 مبلغین اور واعظین کے فضائل
- 80 تفقہ فی الدین
- 82 علم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام
- 84 علم اٹھ جانے پر فتنوں کا ظاہر ہونا
- 87 علم اور تدوین علم
- 88 ایک اعتراض اور اس کا جواب
- 90 حصول علم کے لیے چلنا جنت کی طرف لے جاتا ہے
- 92 علم بہترین صدقہ جاریہ ہے

95 علم تزکیہ نفس کا باعث ہے

باب نمبر: 3

اہل علم کی فضیلت

99 عالم کی عابد پر فضیلت

100 علماء دین قابل رشک ہیں

100 اہل علم اور سرکشی

102 اہل علم اور نفسانی خواہشات کی پیروی

103 حقیقی عالم وہ ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو

قرب قیامت علم اٹھ جائے گا، ایسے حالات میں اس کی حفاظت کرنے والے

105 علماء ہی ہوں گے

106 اہل علم کی غیر اہل علم پر فوقیت

107 علماء اور توحید

108 ایک اعتراض

109 جواب

109 اہل علم کا احترام ضروری ہے

110 اہل علم باعث برکت ہیں

111 علماء اور نصیحت

112 حدیث، ”الدین النصیحة“ کی وضاحت

114 نصیحت کیسے کی جائے

باب نمبر: 4

اہل علم، محدثین، ان کی علمی رحلات اور زہد و تقویٰ

117 امام مالک رحمہ اللہ

117 امام شافعی رحمہ اللہ

- 118 امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ *
- 119 امام بخاری رحمہ اللہ *
- 119 امام ترمذی رحمہ اللہ *
- 120 امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ *
- 120 امام ابن جریر رحمہ اللہ *
- 120 امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ *

دوسرا حصہ

باب نمبر: 1

تقویٰ کی لغوی اور شرعی تعریف

- 125 لغوی تعریف *
- 126 تقویٰ کی شرعی تعریف *
- 130 مراتب تقویٰ *
- 130 پہلا مرتبہ *
- 130 دوسرا مرتبہ *
- 130 تیسرا مرتبہ *

باب نمبر: 2

تقویٰ کی اہمیت

- 131 تمام انسانوں کو تقویٰ کا حکم *
- 131 اہل ایمان کو تقویٰ کا حکم *
- 132 تمام رسولوں ﷺ کو تقویٰ کا حکم *
- 133 نبی کریم ﷺ کو تقویٰ کا حکم *
- 133 ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو تقویٰ کا حکم *

- 134 انبیائے کرام علیہم السلام کا اپنی امت کو دعوتِ تقویٰ دینے کا اہتمام *
- 134 سیدنا نوح علیہ السلام *
- 135 سیدنا ہود علیہ السلام *
- 135 سیدنا صالح علیہ السلام *
- 136 سیدنا ابراہیم علیہ السلام *
- 136 سیدنا لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تقویٰ کی دعوت دینا *
- 137 سیدنا شعیب علیہ السلام *
- 137 سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سرکش فرعون کو تقویٰ کا حکم *
- 138 سیدنا الیاس علیہ السلام *
- 139 سیدنا عیسیٰ علیہ السلام *
- 139 سید الانبیاء جناب محمد ﷺ *
- 141 نبی اکرم ﷺ کا تقویٰ کی دعا کرنا *

باب نمبر: 3

حصولِ تقویٰ کے اسباب و ذرائع

- 143 ایمان *
- 146 ایک شبہ اور اس کا ازالہ *
- 146 نماز *
- 150 روزہ *
- 154 صدقہ، خیرات اور زکوٰۃ *
- 157 مالی اور بدنی عبادت *
- 157 نیکو کار لوگ *

158	نتیجہ بحث	✽
158	حج	✽
162	آیت ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ کا شان نزول	✽
163	قابل غور	✽
166	سودی کاروبار چھوڑ دینا	✽
166	جہاد فی سبیل اللہ	✽
169	صبر	✽
170	صبر کا لغوی معنی	✽
170	صبر کی شرعی تعریف	✽
172	اقسام صبر	✽
175	وسعت صبر	✽
177	ہدایت	✽
181	ایک سوال	✽
181	جواب	✽
187	خلاصہ کلام	✽
187	قربانی	✽
187	قربانی کا معنی	✽
188	قربانی کا مقصد	✽
189	فرضیت تقویٰ کو پیش نظر رکھنا	✽
189	فوائد تقویٰ کو پیش نظر رکھنا	✽
190	تقدیر پر ایمان رکھنا	✽
191	مشکوٰۃ چیزوں کو ترک کرنا	✽
191	عدل و انصاف کرنا	✽

- 192 عبادت کرنا ❀
- 193 اہل تقویٰ کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا ❀
- 193 سبیل اللہ کی اتباع اور دیگر راہوں کو ترک کرنا ❀
- باب نمبر: 4

تقویٰ کے فوائد و ثمرات

- 194 دنیا میں تقویٰ کے فوائد و ثمرات ❀
- 194 پہلا فائدہ: معاملات میں آسانی
- 195 دوسرا فائدہ: دشمنوں کی کارستانیوں سے نجات
- 199 تیسرا فائدہ: ایسی جگہ سے رزق کا ملنا کہ جس کا انسان کو وہم و گمان بھی نہ ہو
- 200 چوتھا فائدہ: غم و الم سے نجات
- 201 پانچواں فائدہ: برکات کا نزول
- 202 چھٹا فائدہ: اصلاح اعمال
- 203 ساتواں فائدہ: حق و باطل میں تمیز
- 207 آٹھوں فائدہ: گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت اور خطاؤں کی پردہ پوشی
- 209 نواں فائدہ: دنیا میں افضل ترین انسان ہونے کی گارنٹی
- 210 دسواں فائدہ: اولاد کی حفاظت
- 211 آخرت میں حاصل ہونے والے تقویٰ کے فوائد و ثمرات ❀
- 211 پہلا فائدہ: اچھا انجام
- 213 دوسرا فائدہ: جہنم سے نجات
- 213 تیسرا فائدہ: عرش الہی کا سایہ
- 215 چوتھا فائدہ: جنت میں داخلہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقریظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء
والمرسلين وبعد!

زیر نظر کتاب موسوم ”علم اور تقویٰ“ ادارہ انصار السنہ پبلی کیشنز کے مدیر ابو حمزہ عبدالخالق
صدیقی حفظہ اللہ کی تالیف لطیف ہے۔ جزاء اللہ خیراً عنی وعن جميع المسلمين۔

اللہ رب العزت کا انعام و اکرام کہ کتاب کی تحقیق، تحریر، اضافہ جات اور تقریظ کا
موقعہ مجھے میسر آیا۔ الحمد لله على ذلك! کتاب ہذا میں بیان کردہ مواد، کتاب کے
عنوان سے واضح ہے۔ علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول مکرم، معلم
انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی!

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اقْرَأْ
وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ
يَعْلَمُ ۝۵﴾ (العلق: ۱-۵)

”اے پیغمبر! آپ پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا
ہے۔ اس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھئے اور آپ کا رب
بے پایاں کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، اس نے آدمی کو وہ کچھ
سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

اسی تعلیم و تعلم سے منسلک ہے۔ اسی لیے تمام ادیان و مذاہب کا جائزہ لینے کے بعد معلوم
ہوتا ہے کہ کسی بھی دین نے تعلیم و تعلم کا وہ اہتمام نہیں کیا جو دین اسلام، دین خنیف نے کیا ہے۔

ذرا قرن اوّل کے حالات کی ورق گردانی کیجیے کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وحی کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس اہتمام سے پڑھایا۔

ان عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کس نے نہیں سنا؟ جن کو تاریخ ”اصحاب صفہ“ کے نام سے یاد کرتی ہے، یہ غریب الدیار اتنے مفلس کہ اکثر فقر و فاقہ کا شکار رہتے، دیکھنے والوں نے دیکھا، اور لکھنے والوں نے لکھا کہ اگر وہ کسی مجلس میں بیٹھتے تو کپڑوں کو سمیٹ کر بیٹھتے کہیں بے پردگی نہ ہو جائے، اتنی غربت کہ پورا جسم ڈھانپنے کے لیے کپڑا بھی میسر نہ ہوتا، حتیٰ کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَىٰ عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ؟))^①

”کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کے پاس عہد نبوت میں دو کپڑے ہوں۔“

ستر (۷۰) کے قریب یہ جانثار، کیا مال کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے؟ یا کاروبار نہیں کر سکتے تھے؟ کیا لیلین دین کی اہلیت سے عاری تھے؟ کیا کھیتی باڑی کرنے سے نابلد تھے؟ نہیں نہیں! بلکہ انھوں نے تمام صلاحیتیں ہونے کے باوجود اپنی توانائیاں نبی اکرم ﷺ کے فرامین حفظ کرنے میں صرف کیں، اور اپنا تن من و دھن سب کچھ اسی راہ میں لگا دیا، انہی میں سے فقیہ اُمت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، وہ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں: ”لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ (غزوہ خیبر کے موقع پر ۶ ہجری میں مسلمان ہوئے صرف چار سال کی صحبت پا کر طویل الملازمہ صحابہ سے بھی) بہت زیادہ روایات بیان کرتے ہیں؟ (کیا ان کو یہ علم نہیں) کہ انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے ہیں، مہاجرین اپنی دکانداری میں مشغول رہتے، اور مجھے ((لَشَبَعَ بَطْنُهُ))..... ”پیٹ بھر“ کھانا ملا یا نہ ملا یعنی قوتِ لا یموت، نصیب ہوئی یا نہ ہوئی، ہمیشہ رسولِ مکرم ﷺ کی رفاقت میں رہتا، اور ان مجلسوں میں

حاضر ہوتا جن مجلسوں میں دوسرے (صحابہ کرام) حاضر نہیں ہوتے تھے۔ آپ کے دروازے پر کھڑا رہتا کہ آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائیں کہ میں آپ کے فرمودات سن کر یاد کر سکوں۔“ ❶

بعض دفعہ میں بھوک سے نڈھال ہو کر مدینہ کی گلیوں میں گر پڑتا۔ اسی طرح سارے ”اصحاب صفہ“ نے حصول علم کا اہتمام کیا، یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمایا کہ لوگ تعجب کیا کرتے۔ سچ فرمایا اللہ رب العزت نے؛

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ

الْمُحْسِنِينَ﴾ (العنکبوت: ۶۹)

”اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے رستہ میں جہاد (بالعلم) کیا، ہم انہیں اپنے رستہ کی ہدایت دیں گے۔ اور اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

انہی ”اصحاب صفہ“ میں سے سیدنا ابو فراس ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ، خادم رسول ﷺ بھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں رات رسول اللہ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھا کرتا، اور راتوں کو بیدار رہتا، کہیں آپ کو کوئی کام نہ پڑ جائے، آپ کا انتظار کرتا رہتا۔ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ اُٹھے، وضو کیا اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((سَلِّ)) ”یعنی مجھ سے آج کے دن جو مانگنا چاہتے ہو مانگ لو۔“ سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ انتہائی غریب آدمی تھے، اور وہ جانتے تھے کہ آج جو مانگوں کامل جائے گا۔ زمین کا سوال کرتے مل جاتی۔

یاد رہے کہ وہ زمینیں جو رسول ہاشمی ﷺ نے لوگوں کو الاٹ کی تھیں، اتنی زیادہ تھیں کہ ساری زندگی لوگ آباد کرتے رہے لیکن وہ آباد نہ ہو سکیں، جاگیر طلب کرتے عطا ہو جاتی، اونٹ مانگتے عنایت ہو جاتے، لیکن انہیں علم تھا کہ اس مال و دولت کی اللہ کے ہاں قدر و قیمت کیا ہے، لہذا موقعہ غنیمت جان کر..... عرض کیا:

((أَسْأَلُكَ مَرَّافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ .))

”کہ میں تو جنت میں آپ کا ساتھ چاہتا ہوں۔“

اللہ کے نبی ﷺ نے تعجب سے سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ کی طرف نظر اٹھائی اور ان سے فرمایا:

((أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ ؟)) ”اس کے علاوہ کچھ اور نہیں مانگتا؟“

سیدنا ابو فراس رضی اللہ عنہ نے کہا: ((هُوَ ذَاكَ .))

”اے اللہ کے رسول! میری پہلی اور آخری خواہش یہی ہے، اور کسی چیز کی طلب ہی نہیں ہے۔“

غریب ترین ہوتے ہوئے بھی اگر کچھ مانگا ہے تو رسول اللہ ﷺ کی جنت میں معیت مانگی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو فراس! اگر جنت میں میرا ساتھ چاہتے ہو تو ایک کام کرنا ہوگا۔ ((فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ .))

”زیادہ سے زیادہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اپنے آپ کو اس قابل بنا کہ مجھ محمد ﷺ کی تمہیں جنت میں بھی رفاقت مل جائے۔“ ❶

لوگ آپ کی رفاقت کے طلبگار ہیں، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا:

﴿ وَ أَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغُلُوفَةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ﴾ (الکھف: ۲۸)

”اے نبی! اپنے آپ کو ہمیشہ ان کے ساتھ رکھیے جو صبح و شام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں۔ اُس کی رضا جوئی کے خواستگار رہتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس علم دین کو اس قدر درجہ عطا فرمایا، اور نبی کریم ﷺ نے وہ منزلت دی، سیدنا کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں:

((كُنْتَ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ ، إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ ﷺ لِحَدِيثٍ بَلَّغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ . قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ .))

”میں سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک آنے والا آیا، اور کہنے لگا، اے ابو درداء! میں مدینۃ الرسول ﷺ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، کسی فائدے کے حصول کے لیے نہیں، بلکہ میرا مطمح نظر وہ حدیث حاصل کرنا ہے جو آپ رسول اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، تو اس وقت سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

”جو کوئی حصولِ علم کے لیے کسی راستہ میں چلتا ہے (دنیا والے اور وہ خود طالب علم بھی محسوس کرتا ہے کہ میں مدرسہ جارہا ہوں)، لیکن حقیقت میں وہ راستہ (مدرسہ نہیں) جنت کی طرف جارہا ہوتا ہے۔“

اور اسی حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنَجَتَهَا رِضًا لِّطَالِبِ الْعِلْمِ ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ، وَالْحَيَتَانِ فِي جَوْفِ الْمَاءِ ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ .))

”یقیناً اللہ کے مقررین فرشتے طالب علم کی رضا مندی کے لیے اپنے پر (ادب)

سے رکھ دیتے ہیں، اس جہانِ فانی میں ہر چیز اس طالب علم کے لیے دعا گو رہتی ہے، حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں اس کی مغفرت کے لیے دعا کرتی رہتی ہیں۔ اور ایک عالم کو کسی عبادت گزار پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے، جس طرح چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر برتری ہوتی ہے۔“

اور مزید برآں طلباء و اساتذہ کے لیے یہ خوشخبری آپ ﷺ نے دی:

((وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَرَثَتُهُمُ الْعِلْمُ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحِطٍّ وَافٍ.))

”کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑ کر گئے، بلکہ علم کی وراثت دے کر گئے ہیں، سو جس نے وہ (علم) حاصل کیا اس نے بہت بڑی متاع حاصل کر لی۔“^①

لہذا ضمناً ہم یہ بات بھی کہہ دیتے ہیں کہ طلباء اور علماء کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ دیکھئے امام بخاری رحمہ اللہ سے حاکم بخاری نے کہا کہ میرے مکان پر تشریف لا کر مجھے درسِ حدیث دیں، اور یہ ادنیٰ مطالبہ تھا جو کہ کسی ابن الوقت کے لیے نہایت آسان، بلکہ باعثِ فخر تھا کہ آج ہر شخص چاہتا ہے کہ سلاطین و امراء کے ہاں آنے جانے کے لیے بہانہ مل جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا پر دین کو قربان کر دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دین کی خاطر دنیا کو لات مار چکے ہیں، ان کے لیے ایسا مطالبہ صرف غلط ہی نہیں، بلکہ ان کی غیرت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ امام موصوف نے صاف صاف کہہ دیا:

((أَنَا لَا أَذِلُّ الْعِلْمَ إِلَى أَبْوَابِ النَّاسِ.))^②

”میں علمِ نبوی ﷺ کو لوگوں کے دروازوں پر لے جا کر ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔“

① سنن ابی داؤد، کتاب العلم، رقم: ۳۶۴۱۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

② تاریخ بغداد: ۳۳ / ۲۔

یعنی یہ ایسی چیز نہیں جو تمہارے پاس لائی جاسکے۔ اگر تمہیں ضرورت یا سنت کی پیاس ہے، تو تم میرے مکان اور مسجد میں آ جاؤ۔

اسی طرح ایک دفعہ امیر نے امام صاحب سے کہا کہ میرے بچوں کو آ کر حدیث پڑھائیں، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے پھر وہی جواب دیا۔ امیر نے پھر کہا کہ میرے بچوں کے آنے کے لیے وقت مخصوص ہوگا، اس وقت کوئی دوسرا درس میں شریک نہ ہوگا۔ لیکن امام صاحب نے یہ بات بھی نہیں مانی اور کہا:

((لَا يَسْعُنِي أَنْ أَخُصَّ قَوْمًا بِالسَّمَاعِ دُونَ قَوْمٍ .))

”یعنی یہ میرا اختیار نہیں کہ دین شرعی کا سنا کسی ایک گروہ کے لیے مخصوص کروں۔“ (تاریخ بغداد)

ایک مرتبہ مسجد نبوی کے صحن میں امام مالک کی مجلس حدیث لگی ہوئی تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ جیسے امام بھی دو زانو بیٹھے ہیں، ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ کو بلوایا ہے، امام صاحب جواب دیتے ہیں کہ علم کے پاس لوگ آتے ہیں، علم لوگوں کے پاس نہیں جاتا۔

((اَلْمَلُوكُ عَلَى بَابِ الْعُلَمَاءِ ، لَا الْعُلَمَاءُ عَلَى بَابِ الْمُلُوكِ .))

ہارون الرشید خود حاضر ہوتا ہے۔ کسی نے کہا، خلیفۃ المسلمین آرہے ہیں، اگر تخلیہ فرمائیں تو بہتر ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کسی شخص کی منفعت کے لیے افادہ عام کا خون نہیں کیا جاسکتا۔“

درحقیقت دینی علم عین اسلام ہے، کیونکہ جب تک آپ کو معرفت الہی نہیں، شریعت کا علم ہی نہیں، تو خود کو اور عوام الناس کو صراطِ مستقیم پر کس طرح چلایا جاسکتا ہے؟ یہی بات امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ”کتاب بدء الوجدی“ کے بعد ”کتاب العلم“ قائم کر کے سمجھائی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم کرتے ہیں:

((بَابُ: اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ .))

”اس چیز کا بیان کہ اقرار و عمل سے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔“

اور بطور دلیل قرآنی آیت ذکر کرتے ہیں:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد: ۱۹)

”پس جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں۔“

امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ بہت بڑے محدث ہیں۔ آپ اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ،

”میں قرطبہ (اندلس) سے امام احمد رحمہ اللہ کی طرف حدیث سیکھنے کے ارادے سے روانہ

ہوا۔ بغداد کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ فتنہ خلقِ قرآن کی پاداش میں امام صاحب اپنے گھر

میں نظر بند ہیں۔ کسی کو آپ سے ملنے کی اجازت نہیں۔ میں بڑا مغموم ہوا، بڑی مشکل سے

آپ کے مکان تک پہنچا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر آپ باہر آئے، اسی وقت کسی جاسوس نے دیکھ

لیا۔ جس کا آپ پر اثر ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میں بہت دور سے آپ کی خدمت میں

حدیث پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہاری خدمت اور تمہیں پڑھانے سے

زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں، مگر کیا کروں، کہ مجھ پر پابندی لگی ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا

کہ ایک تجویز ہے۔ اگر آپ میرا ساتھ دیں تو میں اپنے مطلب کو پاسکتا ہوں۔ فرمایا، بتاؤ!

میں نے عرض کیا کہ بغداد میں نیا داخل ہوا ہوں، اور کوئی شہر کا باشندہ مجھے نہیں پہچانتا۔ میں

روزانہ فقیرانہ بھیس میں آپ کے دروازے پر بھیک مانگنے کی صدا لگایا کروں گا، اور آپ مجھے

خیرات دینے کے بہانے حدیث رسول اللہ ﷺ سنا دیا کرنا، آپ کی مہربانی ہوگی۔ آپ

نے منظور فرمایا اور ساتھ شرط یہ لگائی کہ کسی کو خبر نہ دوں۔ چنانچہ میں روزانہ فقیرانہ بھیس میں سر

پر پٹی باندھ کر ہاتھ میں لکڑی پکڑے بھکاری بن کر صدا لگاتا.....

((الَّا جُرِّ رَحْمَتُكَ اللَّهُ))

”اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔“

وہاں بھیک مانگنے والے اسی طرح صدا لگاتے تھے۔ آپ آواز سن کر آتے، اور وہیں

دروازے پر دو چار حدیثیں سنا دیتے، کئی دن اس طرح سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ آزاد ہوئے، اور مجلس درس ہوئی اور میں وہاں حاضر رہتا تھا، اور آپ طلباء کے سامنے میرا حال بیان کرتے اور فرماتے تھے کہ حدیث کے طالب ایسے ہوتے ہیں۔“ ❶

شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کو گورنمنٹ کی طرف سے عہدے کی پیشکش ہوئی، لیکن آپ نے طلبائے حدیث کے ساتھ بوریا نشینی کو اس پر ترجیح دی۔ ❷

یہی وجہ ہے کہ آج پاک و ہند کا کوئی بھی شخص اپنی سند کو نبی اکرم ﷺ تک ان کے واسطہ کے بغیر نہیں پہنچا سکتا۔

پیارے قارئین! یہ علم آسائش و آرام سے حاصل نہیں ہوتا، بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں، یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا:

((لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ .)) ❸

”علم آرام سے حاصل نہیں ہوتا۔“

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ يُحْصَلُ بِالْمُنَى
مَا يَفْقَى فِي الْأَرْضِ جَاهِلٌ
قُمْ فَاجْهَدْ وَلَا تَكْسَلْ وَلَا تَكْ غَافِلًا
فَإِنَّ النَّدَامَةَ تَبْقَى لِمَنْ يَتَكَاسَلُ

”اگر علم محض خواہشات سے حاصل ہونے والی چیز ہوتی، تو دنیا میں کوئی بھی اُن پڑھ اور جاہل نہ رہتا۔ اُٹھو! محنت کرو، سستی نہ دکھاؤ اور غفلت سے کام نہ لو، کیونکہ سستی سے کام لینے والے کو ہمیشہ شرمندہ گی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔“

❶ مختصر طبقات الحنابلة، ص: ۷۹-۸۱ - سیر أعلام النبلاء: ۱۳/۲۹۳.

❷ تاریخ اہل حدیث از مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی.

❸ صحیح مسلم، کتاب المساجد، رقم: ۱۳۹۰.

نضر بن شمیل حدیث کے حصول میں فاقہ کشی کے دلدادہ تھے، اور فرماتے تھے:

((لَا يَجِدُ الرَّجُلُ لَذَّةَ الْعِلْمِ حَتَّى يَجُوعَ وَيَنْسَى جُوعَهُ))

”کوئی بھی آدمی اس وقت تک علم کی لذت حاصل نہیں کر سکتا، جب تک وہ بھوکا

نہ ہو، اور پھر اس کو بھوک کا احساس تک نہ ہو۔“

حصولِ علم کے لیے اگر طالب علم اپنی ساری توانائیاں وقف کر دے تو پھر بھی یہ اس علم کا عشیرہ
عشیرہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

((مَنْ طَلَبَ الْعُلَى سَحَرَ اللَّيَالِي))

”بلندیاں راتوں کو جاگ کر محنت کرنے کے بعد ملتی ہیں۔“

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”میں ایک دفعہ اپنے شیخ آدم بن ابی ایاس رحمہ اللہ کے پاس
جا رہا تھا۔ زادِ راہ ختم ہو گیا، یہاں تک کہ کئی دن تک مجھے گھاس اور پتوں پر گزارا کرنا پڑا۔ تیسرے
دن کوئی ناواقف شخص مجھے دیناروں کی تھیلی دے گیا، کہ یہ اپنے مصرف میں لائیے۔“^①

اور فرماتے تھے کہ ”مجھے اُمید ہے کہ روزِ قیامت مجھ سے غیبت کے متعلق کوئی باز پرس نہ

ہوگی۔“^②

اسی لیے آج ان کو یہ مقام و مرتبہ ملا ہے۔

یہ بلند مرتبہ ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دار و رن کہاں

اگر ان کی صحیح کے متعلق لکھی جانے والی کتب دیکھی جائیں تو ڈیرھ سو (۱۵۰) سے زائد

ہیں۔ جو صرف ان کی مخلص مساعی کا نتیجہ ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات کے

بعد ان کی یاد میں رور و کرنا بدینا ہو گئے۔^③

① طبقات الشافعية الكبرى، للسبكي: ۱۰ / ۲ - ۱۱.

② تاریخ بغداد: ۱۳ / ۲.

③ تہذیب التہذیب، لابن حجر: ۳۸۹ / ۹.

امام مسلم رحمہ اللہ نے حصولِ علم حدیث کی خاطر کئی شہروں کے چکر کاٹے۔^①

آپ کی وفات کا یہی سبب تھا کہ رات بھر ایک حدیث کی تلاش میں جاگتے رہے، اور جب صبح ہوئی تو حدیث مل گئی، لیکن مرض الموت شروع ہو گیا۔^②

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صاحب ”فتح الباری“ کی پوری تریسٹھ سالہ زندگی کو ان کی تصانیف پر تقسیم کیا جائے تو فی یوم کے ساٹھ صفحات بنتے ہیں۔ اپنی شادی کے بعد بھی اپنے استاذِ مکرم حافظ عراقی رحمہ اللہ کے پاس دس (۱۰) سال تک علم حاصل کرتے رہے۔

امام بخاری جب وطن واپس لوٹتے ہیں تو آپ کا شایان شان استقبال کیا جاتا ہے۔ اور تین میل تک خیمے لگائے جاتے ہیں، اور اوپر دنانیر و دراہم نچھاور کیے جاتے ہیں۔^③

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد یوسف فریالی رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ ان کی مجلس میں لکھنے والوں کی تعداد دس ہزار ہوا کرتی، اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ جب وہ پڑھانے بیٹھتے تو تین تین سو کے قریب مستملی (آواز پہنچانے والے) ہوا کرتے، اور بعض نے تو ان کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی مجلس میں بعض دفعہ چالیس ہزار سے زیادہ قلم و دوات رکھ دیئے جاتے، اور لکھنے والے چالیس ہزار سے بھی بڑھ جاتے۔

قارئین کرام! ان محدثین رحمہم اللہ کے تقویٰ و پرہیزگاری کا اندازہ فرمائیے گا۔ امام نسائی رحمہ اللہ کا زہد و تقویٰ، احیاء اللیل اور عمل بالسنہ مشہور تھا۔ حکام و امراء سے ہمیشہ علیحدہ رہے۔ بالآخر ”خارجیہ“ سے لڑے اور ان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔^④

امام ابو داؤد رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ آپ نے نہر پارکسی کی چھینک سنی تو سنت پر عمل کی خاطر کشتی والے کو ایک دینار کرایہ دے کر اس کے پاس گئے، اور اس کو ((يَرْحَمُكَ

① تہذیب الاسماء واللغات: ۹۱ / ۲.

② تہذیب التہذیب، لابن حجر: ۱۰ / ۱۲۷.

③ مقدمہ فتح الباری، ص: ۴۹۴.

④ طبقات السبکی: ۱۷ / ۲.

اللہ)) کہا۔ ①

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کی عبادت حیران کن تھی۔ کھڑے ہو جاتے تو معلوم ہوتا گویا کہ لکڑی کا ستون ہے۔ ②

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

((اَنَا عَبْدٌ لِّأَخْبَارِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ)) ③

”میں رسول مکرم ﷺ کی احادیث کا خادم ہوں۔“

اسی طرح جرح و تعدیل میں ان کی امانت و دیانت کا یہ عالم تھا کہ حدیث نبوی کو بچانے کے لیے اور اس کی حفاظت کی خاطر انھوں نے اپنے کسی قریبی رشتے دار کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے اپنے والد عبداللہ تک کا ضعیف و ناقابل اعتبار راوی ہونا بتایا۔ ④

امام ابوداؤد سجستانی رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو کذاب تک کہہ دیا۔ ⑤

اور زید بن ائیسہ نے اپنے بھائی یحییٰ کی حدیثیں سننے سے منع کر دیا۔ ⑥

الغرض ان اہل علم لوگوں کی ہر نقل و حرکت حدیث کی خدمت و حفاظت کے لیے وقف تھی۔ وہی جماعت ہر نیک کام میں نمایاں حیثیت رکھ سکتی ہے، جو علم کے ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری کا اہتمام کرے۔ جیسا کہ محدثین کرام رحمہم اللہ نے کیا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے خشیت الہی علماء کا وظیفہ قرار دی ہے، ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸)

”بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔“

سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ مدینہ کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

② طبقات السبکی: ۲ / ۲۲۔

④ کتاب الضعفاء، للعقيلي.

⑥ مقدمة صحيح مسلم: ۲۰/۱، طبع قديمي کتب خانہ۔

① مقدمہ معالم السنن.

③ الفقيه والمتفقه.

⑤ تذكرة الحفاظ، للذهبي: ۲۰ / ۱۔

((اَتَقَاهُمْ رَبَّهُ .)) ❶

”اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا بڑا عالم ہے۔“

امام مجاہد رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

((اِنَّمَا الْفَقِيهُ مَنْ يَخَافُ اللَّهَ .)) ❷

”فقہ اور عالم وہ ہے جس کے دل میں خشیت الہی موجود ہو۔“

اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَيْسَ الْعِلْمُ عَنْ كَثْرَةِ الْحَدِيثِ ، وَلَكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ

الْخَشْيَةِ .)) ❸

”علم بہت زیادہ احادیث یاد کرنے کا نام نہیں، بلکہ کثرتِ خشیت الہی کا نام

ہے۔“

زیر مطالعہ کتاب ”علم اور تقویٰ“ بھی عوام الناس، طلبہ علم اور علماء کو یہ درس دے رہے

ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا التزام کریں۔ ((اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ

رَوْعَاتِنَا .))

اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے، جن کی مساعی مشکورہ کی بدولت یہ

کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہی ہے۔ بالخصوص مؤلف هذا الكتاب، ابو حمزہ عبد الحلق

صدیقی حفظہ اللہ، مدیر انصار السنہ پبلی کیشنز اور میرے تلمیذ حافظ حبیب الرحمن حنیف حفظہ اللہ کو

جنہوں نے کتاب پر اضافہ جات کیے۔ جزاہم اللہ خیراً۔

اور جملہ عاملین و مساعمین، جناب محمد طارق جاوید، محمد شاہد انصاری، محمد اکرم سلفی، ابو

❶ سنن دارمی، مقدمة، رقم: ۲۹۵.

❷ سنن دارمی، مقدمة، رقم: ۲۹۶.

❸ جامع بیان العلم: ۲۵/۲.

طلحہ، ابو موسیٰ منصور احمد اور محمد رمضان محمدی حفظہم اللہ کے لیے بھی دعا گو ہیں، اللہ رب العزت انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کی طباعت کی نیکی کو سب کے لیے ذخیرہ آخرت بنادے۔

اللہ رب العزت سے دست بدعا ہیں کہ وہ ان مقاصد عظیمہ اور اہداف نبیلہ جو ان کتب و رسائل مفیدہ کی طباعت میں کارفرما ہیں جلد از جلد حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور توحید و سنت کی تعلیمات کو فروغ دینے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہمارا معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ کیونکہ توحید و سنت ہی دنیا و آخرت کی فلاح و صلاح کی بنیاد ہیں، باقی سب شیطانی وساوس ہیں۔

العلم ما قال اللہ وقال رسولہ

وما سوى ذلك فهو وسواس الشياطين

اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے انتہائی قابل احترام مرشد و رہنما فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمائی حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی شفقتیں میرے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریروں کو حسن بخشی رہتی ہیں۔ یہ مبارک عمل ان کے حکم، تشبیح اور ساتھ ساتھ ان کی ڈھیروں دعاؤں کی وجہ سے جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ ان کی جہود، محنتوں، کاوشوں اور کوششوں میں مزید اضافہ فرمائے اور شرف قبولیت بخشے۔ جس منہج پر ہم کام کر رہے ہیں، درحقیقت یہ اللہ کی توفیق ہے اور اس کے بعد شیخ حفظہ اللہ کی رہنمائی۔ جزا ہم اللہ خیراً۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم .

وکتبہ

حافظ حامد محمود الخضریٰ

(رفیق) انصار السنہ پبلی کیشنز۔ لاہور



پہلا حصہ



اخلاص نیت

کسی بھی نیک عمل کی قبولیت کے لیے اخلاص نیت نہایت ضروری شرط ہے کہ وہ عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾ (البینہ: ۵)

”اور انہیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، یکسو ہو کر اسی کے دین کو خالص رکھیں، نماز کو قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، یہی دین درست اور مضبوط ہے۔“

اور سورۃ ”المؤمن“ میں بیان کیا کہ،

﴿فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝﴾

(المؤمن: ۱۴)

”پس تم اللہ کو اس کے لیے دین کو خالص کر کے پکارتے رہو، اگرچہ کافر برائیاں۔“

ایک اور مقام پر ارشادِ رب العزت ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَىٰ أُمَمٍ إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ

يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ

أَحَدًا ۝﴾ (الكهف: ۱۱۰)

”(اے پیغمبر!) اعلان کر دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ ہاں! میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو، ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے، اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔“

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ”یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ کے نزدیک عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ شریعت محمدیہ کے مطابق ہو، اور دوسری یہ کہ اس سے مقصود صرف اللہ کی خوشنودی ہو۔ شہرت، نام و نمود، ریا کاری یا کوئی اور دنیاوی غرض مقصود نہ ہو۔“ (تفسیر ابن کثیر، تحت الآیۃ)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى .)) ❶

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اعمال کا انحصار صرف اور صرف نیتوں پر ہے۔ ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے، جس کی اس نے نیت کی۔“

بعض روایات میں اس حدیث کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے اُمّ قیس نامی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا، لیکن اس نے اس وقت نکاح کرنے سے انکار کر دیا، جب تک وہ ہجرت نہ کرے۔ پس اس صحابی نے اس کے اس شرط عائد کرنے کی بنا پر ہجرت کر لی اور وہاں جا کر دونوں کا نکاح ہو گیا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا نام ہی مہاجر اُمّ قیس مشہور ہو گیا۔ اس حدیث کی بنیاد پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ اعمال میں نیت ضروری ہے اور نیت کے مطابق ہی اجر ملے گا۔ معلوم ہوا ہر کام کے لیے اخلاص ضروری ہے۔ یعنی ہر نیک اور صالح

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، رقم: ۱۔ صحیح مسلم، باب فضل الجہاد والخروج فی سبیل اللہ، رقم: ۴۹۲۷۔

عمل میں صرف اور صرف رضائے الہی پیش نظر ہو۔ اگر کسی عمل صالح میں اخلاص کے بجائے کسی اور جذبے کی آمیزش ہو جائے گی تو عند اللہ وہ عمل مقبول نہیں ٹھہرے گا۔ جیسے ریا کاری اور نمود و نمائش کا جذبہ یا دنیا کا لالچ یا اس قسم کے اور گھٹیا مفادات۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَامِكُمْ ، وَلَا إِلَى صُورِكُمْ ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ .)) ①

”اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔“

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیان فرماتے ہیں:

((مَا مِنْ شَيْءٍ أَخَوْفُ عِنْدِي مِنَ الْحَدِيثِ ، وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْهُ لِمَنْ أَرَادَ بِهِ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ .)) ②

”یعنی (نیت خالص نہ ہونے کی صورت میں) میرے نزدیک علم حدیث سے زیادہ خوف ناک کوئی دوسری چیز نہیں ہے، لیکن جب اس میں اللہ کی رضا مقصود ہو تو اس سے بہتر چیز بھی کوئی نہیں ہے۔“

نیت خالص نہ ہونے کا انجام:

جس طرح قرآن و سنت میں اخلاص نیت کے ثواب و جزاء کا تذکرہ موجود ہے، اسی طرح نیت خالص نہ ہونے کے انجام و عقاب کا ذکر بھی موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزَيَّنَتْهَا نُوفَّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا﴾

① صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم: ۲۵۶۴۔

② جامع بیان العلم وفضله، لابن عبد البر: ۱/۵۹، دار الکتب العلمیہ، طبع اولیٰ۔ الجامع لاخلق

الراوی واداب السامع: ۱/۸۳، مکتب المعارف الریاض۔

وَهُمْ فِيهَا لَا يُخْسُونَ ۝۱۵ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۚ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

(ہود: ۱۵، ۱۶)

”جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتا ہے، ہم ایسے لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی پورا پورا دے دیتے ہیں، اور اس میں ان کے لیے کوئی کمی نہیں کی جاتی، ہاں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں، اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا سب باطل ہے، اور ان کے تمام اعمال تباہ و برباد ہوئے۔“

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی ہے، فرماتے ہیں، یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَالَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ، فَمَنْ عَمَلَ لِيْ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ غَيْرِيْ ، فَأَنَا مِنْهُ بَرِيٌّ ، وَهُوَ لِلَّذِيْ أَشْرَكَ .)) ❶

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام شرکاء کے شرک سے بہت زیادہ بے زار ہوں، (لہذا) جس نے کسی عمل میں میرے سوا کسی اور کو شریک کیا، تو میں اس سے بری ہوں، وہ عمل اسی کے لیے ہوگا جس کو اس نے شریک کیا تھا۔“

اسی طرح سیدنا ابوسعید بن ابی فضاہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن، جو ایسا دن ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے، اول و آخر تمام لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی باواز بلند کہے گا:

❶ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الریاء والسمعة، رقم: ۴۲۰۲۔ احکام الجنائز، للألبانی ص:

۵۳۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

((مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ ، فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ
غَيْرِ اللَّهِ ، فَإِنَّ اللَّهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ .)) ❶

”یعنی جو کوئی کسی عمل میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرتا تھا، تو وہ اسی سے
اپنے عمل کا ثواب طلب کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ شرکاء کے شرک سے بے زار
ہے۔“

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

((أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشِّرْكِ ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ
مَعِيَ غَيْرِي ، تَرَكْتُهُ وَشِرْكُهُ .)) ❷

”میں شرک کرنے والوں سے بہت زیادہ بے زار ہوں، جس نے میرے ساتھ
کسی اور کو شریک کیا، میں اس کے شرکیہ عمل کو رد کر دیتا ہوں۔“

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا:

”جس نے (کسی عمل کو) شہرت چاہنے کے لیے کیا تو اللہ اس کی تشہیر کرے گا۔“

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

”جس نے ریاکاری کی تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب سب پر عیاں کرے گا۔“ ❸

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے
ہوئے سنا:

”قیامت کے دن جس آدمی کا سب سے پہلے حساب ہوگا، وہ ایک شہید ہوگا جس کو اللہ
کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، تو اللہ رب العزت اس آدمی کو اپنی نعمتیں یاد دلانے گا، جب وہ

❶ سنن ابن ماجہ، باب الرياء والسمعة، رقم: ۴۲۰۳۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”حسن“ کہا ہے۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب تحریم الرياء، رقم: ۷۴۷۵۔

❸ صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب تحریم الرياء، رقم: ۷۴۷۶۔ سنن ترمذی، باب ماجاء فی الرياء

والسمعة، رقم: ۲۳۸۱۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جان لے گا تو اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا۔ بتا؟ تو نے میری نعمتوں کو کیسے استعمال کیا؟ وہ آدمی کہے گا:

((قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اُسْتُشْهِدْتُ .))

”میں نے تیری راہ میں قتال کیا، حتیٰ کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔“

تو اللہ رب العزت فرمائے گا کہ:

((كَذَبْتَ ، وَلَكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيٌّ فَقَدْ قِيلَ .))

”تو جھوٹ بول رہا ہے، تو تو صرف اس لیے (میدانِ جہاد میں) لڑتا رہا کہ تجھے

بہادر کہا جائے، تو یہ بات تجھے (دنیا میں ہی) کہہ دی گئی۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس آدمی کو اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اس کے بعد اُس آدمی کو بارگاہ رب العالمین میں پیش کیا جائے گا، جس نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا، اور قرآن کی تلاوت کی، اس کو بھی اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی۔ جب وہ اللہ کی نعمتوں کو جان جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے ان کو کہاں استعمال کیا؟ تو جواب میں وہ آدمی کہے گا کہ میں نے علم سیکھا، دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن کی تلاوت کرتا رہا، تو اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

((كَذَبْتَ ، وَلَكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ ، وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ

لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ ، فَقَدْ قِيلَ .))

”تو جھوٹ بول رہا ہے، بلکہ علم حاصل کرتے اور قرآن کی تلاوت کرتے وقت

تیری نیت یہ تھی کہ تجھے عالم اور قاری کہا جائے، تو یہ تجھے دنیا میں ہی کہہ دیا

گیا۔“

اللہ کے حکم پر اس کو بھی جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیا جائے گا، اس کے بعد ایک سخی

آدمی کو لایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی یہی معاملہ کرے گا، اور پوچھے گا کہ تو نے میری نعمتوں کو کیسے استعمال کیا؟ تو وہ آدمی کہے گا:

((مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ .))

”میں تیری مرضی کے مطابق تیری ہر راہ پر خرچ کرتا رہا۔“

تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

((كَذَبْتَ ، وَلَكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ .))

”کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تو اس لیے مال خرچ کرتا رہا کہ تجھے سخی کہا جائے، وہ

تجھے (دنیا میں ہی) کہہ دیا گیا۔“

اس آدمی کو بھی اللہ کے حکم پر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔^①

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی عمل اس وقت تک درجہ قبولیت کی منازل طے نہیں کر سکتا جب تک اس میں اخلاص کی روح موجود نہ ہو، بلکہ اس کی حالت مردہ جسم کی طرح ہے، جس کے ہاتھ تو موجود ہیں، لیکن وہ حرکت نہیں کر سکتے، جس کے پاؤں تو موجود ہیں، لیکن چل نہیں سکتے، جس کی آنکھیں تو موجود ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتیں، جس کے منہ میں زبان تو موجود ہے، لیکن کلام نہیں کر سکتی، جس کے کان اور ناک تو موجود ہیں وہ سن سکتے ہیں اور نہ سونگھ سکتے ہیں، بلکہ یہ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود ناکارہ ہیں۔ بالکل یہی حال ریاکاری کی بنیاد پر کیے گئے اعمال کا ہے کہ ان میں محنت تو موجود ہے لیکن وہ شرف قبولیت کو نہیں پہنچ سکتے۔

اللہ رب العزت ریاکاری اور نمود و نمائش سے محفوظ و مامون فرمائے، اور نیکی کی توفیق اور اخلاص عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

① صحیح مسلم، کتاب الأمارہ، باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار، رقم: ۴۹۲۳۔

علم کی اہمیت اور فضیلت

علم، خشیت الہی کا ذریعہ ہے:

علم اور خشیت الہی دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ انسان کے پاس جتنا دین کا علم زیادہ ہوگا، اتنا ہی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ہوگا۔ اگر ایک دل میں علم تو ہو، لیکن اللہ کا ڈر نہ ہو تو ایسے علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ ایسا علم ہلاکت اور تباہی کا سبب بنے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَأَلْأَنْعَامِ خُتِلِفَ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۖ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۲۸﴾﴾

(الفاطر: ۲۸)

”اور انسانوں، جانوروں اور چوپایوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں، لیکن اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ بے شک اللہ غالب ہے، بہت بخشنے والا ہے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ)) اَيَّ إِنَّمَا يَخْشَاهُ حَقَّ خَشْيَتِهِ الْعُلَمَاءُ الْعَارِفُونَ بِهِ لِأَنَّهُ كَلَّمَا كَانَتْ الْمَعْرِفَةُ لِلْعَظِيمِ الْقَدِيرِ الْعَلِيمِ الْمَوْصُوفِ بِصِفَاتِ الْكَمَالِ الْمَنْعُوتِ بِالْأَسْمَاءِ الْحُسْنَى . كَلَّمَا كَانَتْ الْمَعْرِفَةُ بِهِ أَتَمَّ ، وَالْعِلْمُ بِهِ أَكْمَلَ كَانَتْ

الْحَسْبِيْهُ لَهٗ اَعْظَمُ وَاَكْثَرُ.)) ❶

”یعنی جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اہل علم ہی ڈرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والے ہیں، کیوں کہ جب اس کی مکمل طور پر پہچان حاصل ہو جائے گی تو اس سے اس کی خشیت اور ڈر بھی جڑ پکڑتا جائے گا، بلکہ زیادہ ہو جائے گا۔“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”دو قسم کے لوگ کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک صاحب علم اور دوسرا صاحب دنیا۔ اور نہ ہی وہ درجہ میں برابر ہو سکتے ہیں، کیونکہ صاحب علم رب رحمن کو راضی کرنے میں بہت آگے ہوتا ہے، اور صاحب دنیا سرکشی میں بہت آگے نکلا ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے قرآن مجید کی درج ذیل آیات تلاوت کیں:

﴿كَذٰلِكَ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِٖۤ اَكْرَهٌۭ ۙ اَنْ يَّرٰٓكَ اَسْتَغْنٰی ۚ﴾ (العلق: ۶-۷)

”ہرگز نہیں، بے شک آدمی سرکش بن جاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ وہ دولت مند ہو گیا ہے۔“

راوی کہتے ہیں: اور مزید یہ آیت تلاوت کی:

﴿اِنَّمَا يَخْشٰى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهٖ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (الفاطر: ۲۸)

”اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔“ ❷

پہلی آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ جو انسان ایمان اور معرفت الہی کی دولت سے محروم ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ مال و دولت اور حکومت و سلطنت سے نوازتا ہے، تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اب وہ کسی کا محتاج نہیں، اور رب العالمین کو یکسر بھول جاتا ہے۔ طغیان و سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، کبر و ظلم اس کی صفت بن جاتی ہے، کمزوروں کو حقیر سمجھنا اور دوسروں کا مذاق اڑانا اس کا شیوہ بن جاتا ہے۔

❶ تفسیر ابن کثیر: ۵۵۳/۳، طبع امجد اکیڈمی، لاہور۔

❷ سنن الدارمی: ۱/۱۰۸، رقم: ۳۳۲۔

اور دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے حقیقی معنوں میں ڈرتے ہیں، جاہل نادان ہوتا ہے اسی لیے اللہ سے ڈرتا نہیں۔
علم اور جہالت برابر نہیں:

یہ بات تو ہر کسی پر عیاں ہے کہ جس طرح آسمان اور زمین جمع نہیں ہو سکتے، جس طرح آگ اور پانی اکٹھے نہیں ہو سکتے، جس طرح مشرق اور مغرب کا اجتماع ناممکن ہے، جس طرح ایمان اور نفاق ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، جس طرح کفر اور اسلام ایک دل میں گھر نہیں کر سکتے، بالکل ایسے ہی علم اور جہالت برابر نہیں ہو سکتے، کیونکہ علم سے اللہ رب العزت کی پہچان حاصل ہوتی ہے، جب کہ جہالت سے انسان اس کی معرفت سے نا آشنا رہتا ہے۔ علم سے اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے، جب کہ جہالت سے یہ تمیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ علم سے سیدھے راستے کا تعین ممکن ہے، جبکہ لاعلمی میں اس کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے اس مضمون کو قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان کیا ہے:

﴿أَمَّنْهُوَ فَانْتَ أَمَّا الْيَلِيلُ سَاجِدًا وَ قَابِلًا يَجْزُرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةً رَبِّهِمْ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝۹﴾ (الزمر: ۹)

”کیا بھلا وہ شخص جو رب العالمین کی رحمت کی امید کے بل بوتے پر، آخرت سے ڈرتے ہوئے اپنی ساری رات قیام و سجود میں گزار دیتا ہے۔ اے نبی! کہہ دے، کیا علم والے، اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔“

شرک کی تردید کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے بتایا کہ جس اللہ نے آسمان و زمین کو ایک خاص مقصد کی خاطر پیدا کیا ہے، یقیناً وہی قادر مطلق عبادت کے لائق ہے، لیکن اس حقیقت کا ادراک اہل علم، اہل ایمان ہی کر پاتے ہیں۔ جاہل کفار کی آنکھوں پر پٹی بندھی

ہوتی ہے، اور ان کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے، انہیں آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کے خالق کے بارے میں غور و فکر کی کہاں توفیق ہوتی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَظَرٍ لِّبَنِي النَّاسِ ۚ وَمَا يَعْهَدُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۴۳﴾﴾

(العنکبوت: ۴۳)

”ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں جن کو صرف علم والے ہی جانتے ہیں۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((أَيْ وَمَا يَفْهَمُهَا وَيَتَدَبَّرُهَا إِلَّا الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ الْمُتَصَلِّعُونَ مِنْهُ)) ❶

”یعنی اللہ کی ان بیان کردہ مثالوں کو صرف وہی لوگ سمجھنے کی استطاعت رکھتے ہیں جو اپنے علم میں مضبوط ہیں، اور اس کے پیچ و تاب کو سمجھنے والے ہیں۔“

جہالت صرف طلب دنیا کا باعث ہے:

اللہ تعالیٰ نے قارون کے قصے کو قرآن حکیم میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ وہ ایک دن خوب صورت لباس پہنے ہوئے، بہترین سواری پر سوار ہو کر، خادموں اور لونڈیوں کے جھرمٹ میں لوگوں کے سامنے نمودار ہوا تو دنیاوی عیش و عشرت کے خواہش مند حضرات نے بھی یہ خواہش اور تمنا کی کہ کاش! ہمارے پاس بھی اتنا مال و متاع ہوتا، تمام دنیاوی آرائش ہمیں بھی میسر ہوتیں، خوب صورت لباس ان کے مقدر میں بھی ہوتے، یہ بہترین سواریاں اور خادموں اور لونڈیوں کے جھرمٹ ان کے پاس بھی ہوتے۔ جب ان کے اس رویے کو اہل علم نے دیکھا تو فوراً کہنے لگے کہ اللہ کے ہاں جو نیک اعمال کا اجر و ثواب ہے۔ وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بایں الفاظ سے بیان کیا ہے:

﴿فَفَرَحَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَيْلَتْ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ ۖ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝۹﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيُكَفِّرُ ثَوَابَ اللَّهِ حَيُّ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝۱۰﴾ (القصص: ۷۹-۸۰)

”پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا تو دنیاوی زندگی کے متوالے کہنے لگے کاش! کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے، یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ اہل علم انھیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انھیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں، اور نیک اعمال کریں، یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر والے ہوتے ہیں۔“

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جہالت سے پناہ مانگنا:

اللہ تعالیٰ نے گائے کے قصے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو یوں بیان کیا ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝۶۷﴾

(البقرة: ۶۷)

”اور موسیٰ نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انھوں نے کہا: ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں۔“

کسی کا مذاق اڑانا جہالت کی علامت ہے:

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی کا بے جا مذاق اڑانا جہالت کی علامت ہے، جو کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے، اسی لیے تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کے کہنے پر کہ ﴿قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾..... ”ہم سے مذاق کیوں کرتے ہو۔“

جواباً فرمایا تھا؛

﴿أَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ۝۹۷﴾

”کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔“

امام الانبیاء ﷺ کو جاہلوں سے اعراض کا حکم:

اللہ رب العزت نے نبی آخر الزمان، رحمۃ اللعالمین ﷺ کو جاہل لوگوں سے اعراض کا حکم ان الفاظ میں دیا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۝۱۹۹﴾

(الأعراف: ۱۹۹)

”آپ درگزر کو اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں، اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔“

جہالت اور بندہ رحمان کا کوئی جوڑ نہیں:

اللہ رب العزت نے جہاں اپنے بندوں کے بہت سارے اوصاف بیان کیے ہیں، وہاں ایک وصف یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب جاہل اور نادان لوگ انہیں کوئی غیر مناسب بات کہہ دیتے ہیں تو برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، بلکہ ان کے شر سے بچنے کے لیے خاموشی اختیار کرتے ہیں یا کوئی ایسا جواب دیتے ہیں جس سے شرٹل جائے۔

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً وَاِذَا خَاطَبَهُمُ

الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ۝۶۳﴾ (الفرقان: ۶۳)

”رحمان کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی و فروتنی سے چلتے ہیں۔ اور

جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔“

سیدنا نوح علیہ السلام کو وقوع جہالت کی صورت کی وجہ سے تنبیہ:

جب سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے لیے بخشش کی دعا مانگی تو اللہ رب العزت

نے آپ ﷺ کو ان الفاظ سے خبردار کیا:

﴿قَالَ يُنَوِّحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْتَلِنَ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ (۳۶)

(ہود: ۴۶)

”اللہ نے فرمایا: اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے، اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں، تجھے ہرگز وہ چیز نہیں مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے اپنا شمار کرانے سے باز رہ۔“

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نوح ﷺ کو تنبیہ کی کہ جس مقصد کے پورے طور پر صائب ہونے کا آپ کو علم نہ ہو اس کا اللہ سے سوال نہ کیجیے، اس لیے کہ ایسا کرنا نادانوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ علماء نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس بات کے مطابق شرع ہونے کا آدمی کو علم نہ ہو اس کی دعا نہیں کرنی چاہیے۔

سیاحت سے جہالت ختم ہو جاتی ہے:

اللہ رب العزت نے جہاں انسان کو قرآنی حقائق پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے، وہاں زمین کے اندر چلنے پھرنے اور اس کے حالات پر غور و فکر کی طرف بھی راغب کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْعَالُهُمْ ۝﴾ (محمد: ۱۰)

”کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں کیا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا نتیجہ ہوا؟ اللہ نے انھیں ہلاک کر دیا، اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں۔“

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَكَارِ الْأَخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝۱۰۹﴾

(یوسف: ۱۰۹)

”کیا زمین میں چل پھر کر انھوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پرہیزگاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔“

جاہل اندھے کی مانند ہے، خیر و شر میں تمیز نہیں کر پاتا:

انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کی سمجھ سے بالاتر ہو اگر اس کی کوئی مثال پیش کر دی جائے تو اس چیز کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق اللہ رب العزت نے بھی علم اور جہالت کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لیے مختلف مقامات پر مختلف انداز سے مثالیں پیش کی ہیں۔ ان مثالوں پر تبصرہ کرتے ہوئے رب کائنات فرماتا ہے:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ۝۴۳﴾

(العنکبوت: ۴۳)

”اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں، جنھیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔“

ان مثالوں میں سے ایک مثال ہدیہ قارئین کی جارہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَمَّا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمْ هُوَ أَعْمَىٰ ۝ يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝﴾ (الرعد: ۱۹)

”کیا وہ شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے۔ یقیناً نصیحت تو

عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔“

جہالت، قرب قیامت کی نشانی ہے:

سیدنا ابوامیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ لوگ جاہلوں سے علم حاصل کریں گے۔“ ❶

علم اور دُعا:

دعا کا علم کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق ہے، جیسا کہ گذشتہ ابواب میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾

”اللہ سے اس کے بندوں میں سے علم والے ہی اس کا خوف رکھتے ہیں۔“

اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ سے دعا بھی وہی مانگے گا، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہوگا۔

یہ تو تھی ایک عقلی دلیل، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا علم سے بہت گہرا تعلق ہے۔ لیکن یہاں پر ایک مستقل باب اس عنوان سے قائم کرنے سے ہمارا مقصود صرف یہی ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ان دعاؤں کو نقل کر دیا جائے جن میں حصولِ علم کے لیے دعائیں کی گئی ہیں۔

پہلی دُعا:

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے زیادتی علم کی دعا کرتے رہیں:

﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (طہ: ۱۱۴)

”اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔“

صاحب ”فتح البیان“ رقمطراز ہیں کہ رب کائنات نے اپنے رسول کو علم کے علاوہ کسی بھی چیز میں زیادتی طلب کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ (تیسیر الرحمن، ص: ۹۱۱)

دوسری دُعا:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ۱۶۷ ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ ۱۶۸ ﴿(البقرة: ۱۲۷-۱۲۸)

”اے اللہ! ہمارے اس عمل کو شرفِ قبولیت سے نواز دے۔ تو ہی (دعاؤں کو خوب) سننے والا (اعمال کو خوب) جاننے والا ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو نکال جو تیری فرمانبردار ہو۔ اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”یعنی سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی اس حالت کو یاد کرو جب وہ بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے، اور اس عظیم کام پر تسلسل اور پابندی سے لگے ہوئے تھے، اور یہ کہ اس وقت ان پر خوف اور اُمید کی سی کیفیت طاری تھی، حتیٰ کہ اس عظیم عمل کے باوجود انھوں نے دعا کی کہ ان کا عمل قبول کیا جائے، تاکہ اس کا فائدہ عام ہو، اور انھوں نے اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیے اسلام کی دعا کی۔ جس کی حقیقت قلب کا خشوع و خضوع ہے، اور دل کا اپنے رب کا مطیع ہو جانے اور اعضاء و جوارح کے فرماں بردار ہونے کو متضمن ہے۔“ (تفسیر السعدی: ۱/۱۶۱)

تیسری دُعا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اَنْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلَّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ

عِلْمًا)) ❶

”اے اللہ! جو تو نے مجھے سکھایا ہے اسے میرے لیے نفع مند بنا، اور مجھے ایسا علم عطا فرما جو میرے لیے نفع بخش ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔“

چوتھی دُعا:

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَسْبَعُ ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا یُسْتَجَابُ لَهَا .)) ❷

”اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس دل سے جو ڈرے نہ، اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو، اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔“

پانچویں دُعا:

جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے سامنے دعوتِ توحید رکھنے کا حکم ملا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی:

﴿رَبِّ اشرحْ لِیْ صَدْرِیْ ❸ وَ یَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ❹ وَ احْلِلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ❺ یَفْقَهُوا قَوْلِیْ ❻﴾ (طہ: ۲۵-۲۸)

”اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے، اور میرا کام آسان کر دے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔“

چھٹی دُعا:

نبی مکرم، شافع محشر علیہ السلام نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ فَفِّهْ فِي الدِّیْنِ .)) ❸

❶ سنن ابن ماجہ، باب الإنفاع بالعلم والعمل بہ، رقم: ۲۵۱۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

❷ صحیح مسلم، باب الذکر والدعاء، رقم: ۶۹۰۶۔

❸ صحیح بخاری، باب وضع الماء عند الخلاء، رقم: ۱۴۳۔ صحیح مسلم، باب فضائل عبد اللہ بن عباس، رقم: ۶۳۶۸۔

”اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔“

پس ہمیں بھی دعا کرنی چاہیے:

((اَللّٰهُمَّ فَفْهِنَا فِي الدِّيْنِ .))

”اے اللہ! ہمیں دین کی سمجھ عطا فرما۔“

ساتویں دُعا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا طَیْبًا وَعَمَلًا وَمُتَقَبَّلًا)) ❶

”اے اللہ! میں تجھ سے نفع دینے والے علم، قبول ہونے والے عمل اور پاکیزہ

(حلال) رزق کا سوال کرتا ہوں۔“

پہلی وحی تعلیم و تعلم کے متعلق نازل ہوتی ہے:

علم کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ یہاں سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی تعلیم و تعلم سے متعلق ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵﴾ (العلق: ۱-۵)

”اے پیغمبر! آپ پڑھئے! اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کو محمد خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھئے، اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

ہر معاشرہ سے ایک گروہ ضرور علم حاصل کرے:

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اسلام کی تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی

❶ سنن ابن ماجہ، باب ما یقال بعد التسلیم، رقم: ۹۲۵۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

مقدس کتاب میں احکام کی صورت میں نازل کیا ہے، بالکل اسی طرح اسلامی احکام کو سیکھنے پر بھی زور دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ (التوبة: ۱۲۲)

”اور مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ سب ہی (میدانِ جہاد میں) نہ نکل کھڑے ہوں۔ سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے، تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور تاکہ یہ لوگ جب اپنی قوم کے پاس واپس جائیں، تو انہیں ڈرائیں، تاکہ وہ ڈر جائیں۔“

طلب علم فرض ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ .)) ①

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

علم وراثت انبیاء ہے:

علم انبیاء کی وراثت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا

وَلَا دِرْهَمًا ، وَرَّثُوا الْعِلْمَ ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحِطِّ وَافِرٍ .)) ②

”علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑ کر گئے،

بلکہ علم کی وراثت دے کر گئے ہیں، سو جس نے وہ (علم) حاصل کیا اس نے بہت

① سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ح: ۲۲۴۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

② سنن ابوداؤد، کتاب العلم، رقم: ۳۶۴۱۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

بڑی متاع حاصل کر لی۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ”ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا؟ لوگوں نے پوچھا کس شے سے؟ کہا: وہاں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو! لوگوں نے پوچھا کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ کہا مسجد میں! لوگ دوڑے دوڑے مسجد میں گئے لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی، اس لیے لوگ لوٹ گئے اور کہاں کہ وہاں تو کچھ بھی تقسیم نہیں ہو رہا، البتہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہیں، کچھ حلال و حرام پر گفتگو کر رہے ہیں۔ بولے! تم لوگوں پر افسوس ہے یہی تو تمہارے نبی ﷺ کی میراث ہے۔“^①

علم نور ہے:

جو لوگ اپنے ایمان میں صادق ہوتے ہیں، عمل صالح کرتے ہیں، اور ایمان کے منافی تمام کاموں سے بچتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنا ولی اور دوست بنا لیتا ہے۔ انہیں کفر اور شک و شبہ کی تاریکیوں سے نکال کر کھلے اور واضح حق کے رستے پر ڈال دیتا ہے۔ اور جو اہل کفر ہوتے ہیں، ان کے دوست شیاطین اور ائمہ کفر و الحاد ہوتے ہیں، وہ کفر و الحاد کو خوشنما بنا کر ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور راہ حق سے انہیں برگشتہ کر کے کفر و ضلالت کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٢٥٧﴾ (البقرہ: ۲۵۷)

”اللہ ایمان والوں کا دوست ہے، وہ انہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ایمان تک پہنچاتا ہے، اور کفر کرنے والوں کا دوست طاغوت ہے، جو انہیں نور

ایمان سے محروم کر کے ظلمت کفر تک پہنچا دیتا ہے، وہی لوگ جہنم والے ہیں، اس میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔“

امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے تلمیذ امام شافعی رحمہ اللہ میں علمی بصیرت کو دیکھا تو فرمانے لگے:
 ((إِنِّي أَرَى أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَلْقَى عَلَيْكَ نُورًا ، فَلَا تُطْفِئُهُ
 بِظُلْمَةِ الْمَعْصِيَةِ .)) ❶

”میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے علمی بصیرت عطا کر رکھی ہے، پس تم اسے معصیات کی تاریکی کے ذریعے مت گنوانا۔“

علم بلندی درجات کا سبب ہے:

یہاں پر ایک بات کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ بلندی درجات کے لیے علم کے ساتھ تقویٰ اور خوفِ الہی کا دل میں پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ اور اگر خدا خواستہ کسی کے پاس علم تو ہو، لیکن اس کے دل میں خشیتِ الہی موجود نہ ہو، تو ایسا علم بلندی درجات کے بجائے ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ رحمتہ للعالمین ﷺ ہے:

((إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ .)) ❷

”بے شک اللہ رب العزت اس کتابِ مقدس کے ذریعے کچھ لوگوں کو تو بلندی درجات سے نواز دیتے ہیں اور کچھ لوگوں کو پستی کی گہرائیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔“

علم حکمت ہے:

علم اور حکمت لازم و ملزوم چیزیں ہیں، اور یہ حکمت اللہ تعالیٰ اہل علم کو ہی عطا کرتا ہے۔ کلام حکمت بہت بڑی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، جو ہر کسی کو عطا نہیں کی جاتی، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

❶ الجواب الکافی، ص: ۱۳۰، طبع دار المعرفة، بیروت، لبنان.

❷ صحیح مسلم، باب فضل من يقوم بالقرآن ویعلمه، وفضل من تعلم حکمة من فقه او غیره فعمل بہا وعلمہا، رقم: ۱۸۹۷.

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وََمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۗ﴾ (البقرة: ۲۶۹)

”وہ (اللہ تعالیٰ) جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے۔ اور جس شخص کو حکمت عطا کر دی گئی، اسے بہت ساری بھلائی مل گئی، اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔“

عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم احکامات نازل فرمائے ہیں، جن میں بہت سے اسرار اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ اور ان پر عمل کی توفیق ہر کسی کو نہیں ملتی، بلکہ صرف اسی کو ملتی ہے، جس پر اللہ کا خاص احسان ہو اور اُسے اللہ حکمت عطا فرمادے۔ حکمت سے مراد علم نافع، عمل صالح، اور شریعت کے اسرار اور حکمتوں سے واقفیت ہے۔ جسے اللہ ایسی حکمت دے دے اسے اللہ نے بہت بھلائی عطا فرمادی۔ اس بھلائی سے عظیم تر بھلائی کون سی ہو سکتی ہے، جس میں دنیا اور آخرت کی خوش نصیبی پنہاں ہو، اور جس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کی بد نصیبی سے نجات مل جائے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نعمت خاص لوگوں کو ملتی ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ہے۔ پس بندے کو کمال صرف حکمت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کمال نام ہے علمی اور عملی قوت کے کامل ہونے کا۔ علمی قوت تو حق کی معرفت سے اور اس کے مقصود کی معرفت سے کامل ہوتی ہے۔“

(تفسیر السعدی: ۱/۳۲۰)

علم و حکمت امام مالک رحمہ اللہ کی نظر میں:

امام مالک رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

((وَأِنَّهُ يَنْفَعُ فِي قَلْبِي أَنَّ الْحِكْمَةَ هُوَ الْفَقْهُ فِي دِينِ اللَّهِ، وَأَمْرٌ

يُدْخِلُهُ اللَّهُ فِي الْقُلُوبِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَفَضْلِهِ، وَمِمَّا يَسِّنُّ ذَلِكَ
إِنَّكَ تَجِدُ الرَّجُلَ عَاقِلًا فِي أَمْرِ الدُّنْيَا إِذَا نَظَرَ فِيهَا، وَتَجِدُ آخَرَ
ضَعِيفًا فِي أَمْرِ دُنْيَاهُ، عَالِمًا بِأَمْرِ دِينِهِ بَصِيرٌ بِهِ، يُؤْتِيهِ اللَّهُ إِيَّاهُ
وَيُخْرِجُهُ هَذَا فَالْحِكْمَةُ الْفَقْهُ فِي دِينِ اللَّهِ .)) ❶

”اور میرے دل میں یہ بات پختہ ہو چکی ہے کہ حکمت دین میں فقہت کا نام
ہے۔ اور ایسی بات کو بھی حکمت کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے
دل میں داخل کر دیتا ہے۔ اور اس کی وضاحت اس تجربے سے بھی ہوتی ہے کہ
بسا اوقات بعض آدمی دنیاوی معاملات کو اچھی طرح سمجھنے والے ہوتے ہیں، لیکن
اس کے مقابلے میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو دنیاوی معاملات میں تو
پختہ رائے کے مالک نہیں ہوتے، لیکن دینی معاملات میں بصارت کے ساتھ
ساتھ بصیرت کی گہرائیوں سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ (دنیا جاننے والے کو تو)
اللہ نے (دنیا ہی) دے دی، لیکن اس کو دین کی فقہت سے محروم رکھا۔ (تو
معلوم ہوتا ہے کہ) حکمت دین میں فقہت کا نام ہے۔“

نبی مکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد تعلیم حکمت:

نبی مکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد تعلیم حکمت بھی ہے۔ ارشادِ باری
تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَافْقِهِ ضَلَالٍ مُبِينٍ ٥﴾

(الجمعة: ۲)

” (اللہ) وہ ذات ہے کہ جس نے ”اُمّی“ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول

بھجا جوان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس (نبی کی بعثت) سے پہلے یقیناً وہ واضح گمراہی پر تھے۔“

علم و حکمت ایسی نعمت ہے کہ جس پر رشک کیا جاسکتا ہے:

حکمت اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے، جس پر رشک کیا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ أَتَاهُ اللَّهُ مَالًا، فَسَلَّطَهُ عَلَىٰ هَلَكَةٍ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ أَتَاهُ اللَّهُ حِكْمَةً، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا)) ❶

”دو آدمیوں کے علاوہ اور کسی آدمی پر رشک کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک وہ آدمی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اس کو حق کے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور دوسرا وہ آدمی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نوازا، جس کے ذریعے وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔“

سیدنا یوسف علیہ السلام اور حکمت:

سیدنا یوسف علیہ السلام جب جوانی کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم اور حکمت جیسی عظیم نعمتوں سے نوازا۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ کیا ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (یوسف: ۲۲)

(یوسف: ۲۲)

”اور جب (یوسف) پوری جوانی کو پہنچ گئے تو ہم نے انھیں قوتِ فیصلہ (حکمت) اور علم دیا، اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔“

علمِ رحمتِ الہی کا ذریعہ ہے:

علمِ شرعی اللہ عزوجل کا عظیم فضل و احسان اور بہترین رحمتِ الہی ہے، علم کے آجانے پر انسان اللہ عزوجل سے اس کی رحمت کا سوال کرتا ہے وگرنہ نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۝﴾

(الحجر: ۵۶)

”گمراہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کوئی ناامید نہیں ہو سکتا ہے؟“

سیدنا قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسولِ مکرم ﷺ کے پاس آیا، آپ نے مجھ سے پوچھا: اے قبیصہ! آپ کس غرض سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں، پس میں آپ کے پاس آیا ہوں، آپ مجھے علم سکھائیے جو کہ میرے لیے نفع مند ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے قبیصہ! آپ جس جس پتھر، درخت اور مکان کے پاس سے گزر کر علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس نے تمہارے لیے دعائے مغفرت کی ہے۔ تم جب نمازِ فجر پڑھ لو، تو کہو:

((سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ.))

”اللہ عظیم و برتر ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، اور ہر قسم کی تعریف اسی کی ہے۔“

تم بینائی سے محرومی، کوڑھ اور فالج سے محفوظ رہو گے، اور اے قبیصہ! یہ دعا کیا کرو۔

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِمَّا عِنْدَكَ، وَأَفْضِلْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ،

وَأَنْسُرْ عَلَيَّ رَحْمَتَكَ، وَأَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ.))

”اے میرے اللہ! میں آپ سے وہ کچھ مانگتا ہوں جو آپ کے پاس ہے، یعنی

مجھ پر اپنا فضل کر دے۔ مجھے اپنی وافر رحمت عطا فرما، اور مجھ پر اپنی برکات نازل

فرما۔“ ①

مذکورہ بالا حدیث میں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عظیم طالب علم کو یہ درس دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے رہنا۔ پس معلوم ہوا کہ علم کا تقاضا ہے کہ اللہ رحیم و کریم سے اس کے کرم و رحمت اور جود و سخا کا سوال کیا جائے۔

علم ایمان ہے:

ایمان اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جو کہ دنیا و مافیہا کی سب نعمتوں سے بہتر ہے، دل میں جتنا ایمان راسخ اور پختہ ہوگا، اسی قدر اللہ کا ڈر اور تقویٰ بھی زیادہ ہوگا۔ اور ان تمام چیزوں کا حصول علم کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان تو ہو لیکن اس کے متعلق درست عقائد کا علم نہ ہو، تو یہ ایمان ہدایت کے بجائے گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے برعکس علم رکھنے والے آدمی کے گمراہ ہونے کے کم ہی مواقع ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح ”کتاب العلم“ میں باب قائم کرتے ہیں:

((بَابُ: اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ .))

”اس چیز کا بیان کہ قول و عمل سے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔“

اور بطور دلیل کے اللہ علیم وخبیر کا فرمان عالی شان ذکر فرماتے ہیں:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد: ۱۹)

”آپ جان لیں، یقیناً اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔“

بہر حال علم کے بغیر صحیح خطوط پر رضائے الہی کا حصول مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لاعلمی کی حالت میں انسان کوئی ایسا عمل کر جائے جو اس کے خیال میں تو رضائے الہی کا سبب ہو لیکن اس کے برعکس حقیقت میں وہ عمل غضب الہی کا موجب بن جائے اور انسان لاعلمی کی وجہ سے رفعت درجات کے بجائے پستی کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۖ﴾ (الذین ضلّ سعيهم في

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۳﴾

(الكهف: ۱۰۳-۱۰۴)

”اے نبی! فرمادیں! کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر دوں جو اعمال کرنے کے باوجود انتہائی خسارے میں جا رہے ہیں؟ وہ لوگ جن کی کوششیں دنیا میں ہی برباد ہو کر رہ گئیں، حالانکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ بہت اچھے عمل کر رہے ہیں۔“

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور اہل علم کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم اور ایمان لازم و ملزوم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ اَنْشُرُوْا فَاَنْشُرُوْا يَرٰ فَجَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اٰتَوْا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۚ﴾ (المجادلہ: ۱۱)

”اور جب تمہیں کہا جائے کہ (مجلس سے) اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ، تو تم اٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور اہل علم کے درجات کو بلند فرمائے گا۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ جب وہ قرآن کی کسی متشابہ آیت کو دیکھتے ہیں تو بلا تاویل کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشٰبَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلٍ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهِ ۚ كُلُّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَدَّكُرُ اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ ۙ﴾ (آل عمران: ۷)

”وہی (اللہ کی) ذات ہے جس نے آپ پر کتاب کو نازل فرمایا جس کی بعض

آیات محکم ہیں جو اصل کتاب ہیں، اور بعض آیات متشابہات ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ فتنے کی طلب اور ان آیات کی تاویلات کی جستجو کے لیے ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان آیات کا صحیح مفہوم اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ (اس کے برعکس) پختہ علم والے (متشابہ آیات کے بارے میں) کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں، یہ (نازل شدہ کتاب) سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو ذکر کرنا انتہائی مناسب ہے۔

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: تَلَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ..... النّٰح﴾ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَى اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ.)) ❶

”اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ..... النّٰح﴾ پھر فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے، وہی لوگ ہیں جو متشابہ آیات کی تاویل میں لگ جاتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں سے بچو۔“

اور بعض مفسرین ”راسخین فی العلم“ کے بارے میں آپ ﷺ کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں: ((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ، فَقَالَ: مَنْ بَرَتْ يَمِينُهُ وَصَدَقَ لِسَانُهُ وَاسْتَقَامَ قَلْبُهُ، وَمَنْ عَفَّ بَطْنُهُ

وَفَرَجَهُ فَلَيْلِكَ مِنَ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ ۝ ۱

”کہ رسول اللہ ﷺ سے ”راسخین فی العلم“ کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: قسم کو پورا کرنے والے، سچی زبان والے، اپنے پیٹ کو (حرام کمائی سے) بچانے والے اور اپنی شرم گاہ کو (زنا سے) بچانے والے۔ پس یہی لوگ ”راسخین فی العلم“ ہیں۔“

بیانِ علم:

اسلام ہمیں ہر حالت میں حق گوئی کا حکم دیتا ہے، اور کسی بھی حالت میں حق سے انحراف کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن حکیم نے تین قسم کے لوگوں کے علاوہ باقی تمام انسانوں کو خسارے کی گہرائیوں میں گرتا ہوا قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝۱ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ خُسْرٍ ۝۲ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳﴾ (العصر)

”زمانے کی قسم! بے شک انسان سراسر نقصان اور خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کیے، اور جنھوں نے آپس میں حق کی وصیت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ حق گوئی میں اعراض سے کام نہیں لیں گے، لیکن انھوں نے اس وعدے کی پاسداری نہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت ان الفاظ میں کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبَيَّسَ مَا يَشْتَرُونَ ۝۱۸۷﴾ (آل عمران: ۱۸۷)

① تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۴۷۔ درمنثور: ۲/ ۷۔ تفسیر طبری: ۳/ ۱۲۳۔

”اور جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم اسے لوگوں سے ضرور بیان کرو گے، اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو پھر بھی انھوں نے اس عہد کو اپنی بیٹھ پیچھے ڈال دیا، اور اسے کم قیمت کے بدلے بیچ ڈالا، ان کا یہ سودا بہت بُرا ہے۔“

عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”میثاق اس عہد کو کہتے ہیں جو بہت مؤکد اور بھاری ذمہ داری کا حامل ہو۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے لیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا کی اور اسے علم سے نوازا۔ اس سے یہ عہد لیا کہ لوگ اس کے علم میں سے جس چیز کے محتاج ہوں، وہ ان کے سامنے بیان کرے، اور ان سے کوئی چیز نہ چھپائے اور نہ علم بیان کرنے میں بخل سے کام لے، خاص طور پر جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے یا کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے جو علمی راہنمائی کا متقاضی ہو۔ پس اس صورتِ حال میں ہر صاحبِ علم پر فرض ہے کہ وہ مسئلہ کو بیان کر کے حق اور باطل کو واضح کر دے۔ اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق سے نوازا ہے، وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نبھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو علم ان کو عطا کیا ہے وہ اسے اللہ کی رضا کی خاطر لوگوں پر شفقت کی وجہ سے اور کتمانِ علم کے گناہ سے ڈرتے ہوئے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔“

(تفسیر سعدی، مترجم: ۱/ ۴۵۹)

کتمانِ علم کی سزا:

اللہ تعالیٰ نے کتمانِ علم کی سزا قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان کی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ ۖ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۷۳﴾ اُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا

الضَّلَالَةَ بِالْأَهْدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ﴿۱۷۴﴾

(البقرة: ۱۷۴-۱۷۵)

”بے شک وہ لوگ جو اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں، اور اس کو کم قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں۔ اللہ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی انھیں پاک کرے گا، یہی لوگ ہیں کہ جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب کو خرید لیا ہے۔“

مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”کتمان حق کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ پیشہ ور قسم کے لوگ اس کے عوض کچھ نہ کچھ دنیوی مفاد اور مال و دولت حاصل کر لیتے ہیں، آیات کی تاویل یا فقہاء کے مختلف اقوال کو بنیاد بنا کر غلط فتویٰ دیتے ہیں، اس طرح ایک طرف تو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، ان سے پیسے وصول کرتے ہیں، اور لطف کی بات یہ کہ فتویٰ جتنا زیادہ غلط قسم کا ہوا اتنے ہی ان کے دام زیادہ وصول کیے جاتے ہیں، یہ مال بلاشبہ حرام ہے۔ جو دوزخ کی ظاہری آگ کے علاوہ ان کے اندر بھی آگ لگا دے گا۔“ (تیسیر القرآن: ۱/۱۳۰)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اگر (مذکورہ بالا) دونوں آیات کتاب اللہ کے اندر موجود نہ ہوتیں تو میں نبی کریم ﷺ کی کوئی بھی حدیث بیان نہ کرتا۔“ ❶

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ

❶ سنن ابن ماجہ، المقدمة، رقم: ۲۶۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ ﴿النحل: ۱۱۶-۱۱۷﴾

”کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے، اور یہ حرام، تاکہ اللہ پر بہتان باندھ لو۔ بے شک اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ انھیں بہت معمولی فائدہ پہنچتا ہے، اور ان کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔“

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ اللَّهُ أُذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦٠﴾﴾ ﴿یونس: ۵۹-۶۰﴾

”آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حصہ حلال قرار دے دیا۔ آپ پوچھیں! کیا تمہیں اللہ نے اس کا حکم دیا تھا یا اللہ پر افتر باندھتے ہو، اور جو لوگ اللہ پر افتر باندھتے ہیں، ان کا قیامت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے، لیکن اکثر لوگ ناقد رہے ہیں۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ يَعْلَمُهُ فَكَتَمَهُ ، أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ

مِنْ نَارٍ .))

”جس شخص سے علم کے بارے میں سوال کیا گیا، اور اس نے اسے چھپایا تو اسے

قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔“ ❶

اللہ تعالیٰ کے بارے میں لاعلمی کی بنیاد پر بات کہنے کی حرمت:

اللہ تعالیٰ نے لاعلمی کی صورت میں اپنی طرف کسی بات کو منسوب کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف: ۳۳)

”آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے حرام کر دیا ہے، پوشیدہ اور اعلانیہ فحاشی کو، اور ہر گناہ کی بات، اور کسی پر ناحق ظلم کرنے کو، اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، جس کی اللہ نے کوئی دلیل بھی نازل نہیں کی۔ اور اس بات کو کہ تم اللہ کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرو، جس کا تمہیں علم ہی نہ ہو۔“

عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے یعنی اس کے اسماء و صفات، افعال، اور اس کی شریعت کے بارے میں لاعلمی پر مبنی بات کہنا، ان تمام امور کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور بندوں کو ان میں مشغول ہونے سے روکا ہے، کیونکہ یہ امور مفاسد عامہ اور مفاسد خاصہ پر مشتمل ہیں اور یہ امور ظلم و تعدی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی جناب میں جسارت و جرأت کے موجب، اللہ تعالیٰ کے بندوں پر دست درازی اور اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت میں تغیر و تحریف کا باعث ہیں۔“ (تفسیر السعدی، مترجم: ۸۶۹/۱)

❶ سنن ابن ماجہ، مقدمہ، رقم: ۲۶۶۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

ایک اور جگہ پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنِيَّتَكُمْ
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (الانفال: ۲۷)

”اے ایمان والو! تم علم رکھنے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کے حق میں

خیانت مت کرو، اور نہ ہی تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔“

عبدالرحمن بن ناصر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس نے اوامر و نواہی کی جو

امانت ان کے سپرد کی ہے وہ اسے ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امانت آسمانوں،

زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو وہ ڈر گئے اور انھوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے

سے انکار کر دیا، اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھالیا، کیونکہ وہ نہایت ظالم اور نادان

ہے۔ پس جو کوئی امانت ادا کرتا ہے، وہ بے پایاں ثواب کا مستحق بن جاتا ہے، اور

جو کوئی یہ امانت ادا نہیں کرتا تو سخت عذاب اُس کے حصے میں آتا ہے۔“

قارئین کرام! مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ ”خیانت“ تمام چھوٹے اور بڑے گناہوں

کو شامل ہے۔ فرائض میں سستی، اللہ کے حدود سے تجاوز کرنا، اللہ تعالیٰ پر بغیر علم بات کرنا،

رسول اللہ ﷺ کی سنت کا انکار، اور مسلمانوں کا راز کافروں کو بتانا، یہ اور اسی طرح کے

دوسرے سبھی گناہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت میں داخل ہیں۔ امانتوں میں خیانت

یہ ہے کہ کوئی آدمی مالِ غنیمت میں سے کچھ چوری کر لے، یا اگر کسی مسلمان نے اپنے مال،

اہل و عیال اور اپنے رازوں کا اس کو امانت دار بنایا ہے، تو اس میں خیانت کرے، اس کا مال

ہڑپ جائے، یا اس کی بیوی پر نگاہ بد ڈالے، اسے بُرائی پر ورغلانے یا اس کے رازوں کو طشت

از بام کرے اور لوگوں میں بیان کرتا پھرے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف لاعلمی میں کوئی بات منسوب کرنے کی سزا:

جو شخص لاعلمی میں پیغمبر ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتا ہے، تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ يَكْذِبُ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ)) ❶

”مجھ پر جھوٹ مت بولو، پس جس نے مجھ پر جھوٹ بولا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔“

لاعلمی گمراہی ہے:

جس طرح علم اور صراطِ مستقیم کا آپس میں گہرا تعلق ہے، ایسے ہی لاعلمی اور گمراہی بھی لازم و ملزوم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ❷﴾ (الروم: ۲۹)

”اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بغیر علم کے خواہش پرستی کر رہے ہیں، اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ گمراہ کر دے، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔“

معلوم ہوا کہ لاعلمی سراسر گمراہی ہے۔ لاعلمی کی وجہ سے ہی انسان خواہش پرست بن سکتا ہے۔ اور بالآخر انسان گمراہی میں بہت آگے نکل جاتا ہے کہ اللہ رب العزت اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ❸﴾

(الروم: ۵۹)

”اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر لگا دیتا ہے۔“

ایک حدیث شریف میں آتا ہے؛

”قرب قیامت علم اٹھ جائے گا، پھر لوگ ایسے لوگوں سے مسائل پوچھیں گے جو ان کو نہیں جانتے ہوں گے، اور وہ لوگ لاعلمی کی حالت میں خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“ ❶

علم یقین کا نام ہے:

جب علم میں یقین کی کیفیت پیدا ہو جائے، تو یہ انسان کے مومن ہونے کی دلیل ہے،

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَلْيَقِيْنُ الْاِيْمَانُ كُلُّهُ)) ❷

”یقین پورا ایمان ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ اگر یقینی علم انسان کے دل کو چھو لے، تو وہ دنیا کی حرص و ہوس میں نہیں پڑتا، بلکہ زہد و تقویٰ اور عمل صالح والی زندگی کو اپناتا ہے، اور اس کی یہ دنیا طلبی بعث بعد الموت اور آخرت پر عدم ایمان کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلْهٰكُمْ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوْهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷﴾ (التكاثر: ۱-۷)

”لوگو! تمہیں کثرت کی چاہت نے اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ گئے۔ ہرگز نہیں! تم عنقریب جان لو گے۔ پھر ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لو گے، ہرگز نہیں، اگر تم علم یقینی کے طور پر جان لیتے (تو تم کثرت کی چاہت میں نہ پڑتے، ہماری عزت و جلال کی قسم!) تم جہنم کو یقیناً دیکھو گے۔ پھر تم جہنم کو بالکل یقینی طور پر دیکھ لو گے۔“

❶ صحیح مسلم، کتاب العلم، رقم: ۶۷۹۶۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بنی الاسلام علی خمس۔

ذیل کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے ابتدائی مراحل، اور اس کے بعد کے مراحل کو ذکر کیا ہے، اور اس کے ساتھ ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو حصول علم کا ذریعہ ہیں، اور آخر میں فرمایا ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ”تاکہ تم شکر کرو۔“

گویا کہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عدم سے وجود بخشا، اور پھر وہی ذات ہے کہ جس نے تمہیں علم حاصل کرنے کی صلاحیت بخشی، اب حصول علم کے بعد تم پر میرا شکر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (۷۸)

(النحل: ۷۸)

”اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنایا تاکہ تم شکرگزاری کرو۔“

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (ابراہیم: ۷)

”اور تمہارے رب نے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ اگر تم میرا شکر کرو گے، تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا، اور اگر میری ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔“

علم، اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچاتا ہے:

ایک دل میں اللہ کی نافرمانی اور علم جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ علم تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جبکہ نافرمانی غضب الہی کا موجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ

يَكُونُ لَهُمُ الْخَيْرَةُ مِنْ أَمْرِهُمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ﴿٣٦﴾ (الاحزاب: ۳۶)

”اور کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی معاملے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ یاد رکھو! اللہ اور اس کے رسول کی جو شخص بھی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس آدمی کے پاس علم بھی ہو، لیکن اللہ کی نافرمانی بھی کرتا ہو، تو یہ بات اس کی شایانِ شان نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے ایک نہ ایک دن اس نعمت کے چھن جانے کا بھی خدشہ اور آخرت میں سب سے زیادہ عذاب کا بھی اندیشہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ آعْجَمِي﴾ (طہ: ۱۲۴)

”اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا، تو اس کی معیشت تنگ ہو جائے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔“

اس وقت انسان سوال کرے گا، پوچھے گا:

﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتُ نَفْسِي آعْجَمِي وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا﴾ (طہ: ۱۲۵)

”وہ کہے گا: میرے رب! میں دنیا میں دیکھا کرتا تھا، تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا ہے۔“

تو اللہ کی طرف سے ارشاد ہوگا:

﴿قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى﴾ (طہ: ۱۲۶-۱۲۷)

”کَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى“

”اللہ فرمائے گا: تیرے سامنے بھی اسی طرح ہی ہماری آیات آتی تھیں، لیکن تو انھیں بھلا دیا کرتا تھا، لہذا آج تجھے بھی بھلا دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح ہم اس شخص کو سزا دیں گے جو (نافرمانی میں) حد سے بڑھ گیا، اور وہ اپنے رب کی آیات پر ایمان بھی نہ لایا۔ اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔“

عمر بن خطاب نے کعب بنی النجہ سے فرمایا: ”تمہیں معلوم ہے کہ ارب العلم سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ اہل علم کہلانے کے حق دار ہیں جو عمل کرتے ہوں۔ فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ علماء کے دلوں سے علم کس چیز نے خارج کر دیا ہے؟ فرمایا: دنیا کی حرص اور لالچ نے۔“^①

یعنی اگر عالم، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان بن جائے تو اس کے دل سے علم خارج ہو جاتا ہے۔ مزید برآں اہل علم کی نافرمانی کی وجہ سے اسلام کی عمارت منہدم ہونے لگتی ہے۔ زیاد بن حدیر فرماتے ہیں: ”مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا تم کو معلوم ہے کہ کون سی چیز ہے جو اسلام کی عمارت کو منہدم کر سکتی ہے؟ فرماتے ہیں: میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں! تو آپ نے فرمایا کہ اہل علم کی بدعملی، یعنی اللہ اور رسول کی نافرمانی، منافق کا کتاب کے متعلق لوگوں سے بحث مباحثہ اور گمراہ ائمہ کا حکمران بن جانا، اسلام کی عمارت کو منہدم کر سکتا ہے۔“^②

حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”علم دو طرح کا ہے، ایک علم وہ ہے جو انسان کے دل میں ہو، پس یہی علم نافع ہے۔ اور دوسرا علم صرف زبان کی حد تک رہتا ہے، پس یہ علم (روزِ قیامت) ابن آدم کے خلاف حجت بن کر آئے گا۔“^③

① سنن دارمی : ۱/۱۵۲، رقم: ۵۸۴.

② سنن دارمی : ۱/۸۲، رقم: ۲۱۴.

③ سنن دارمی : ۱/۱۱۴، رقم: ۳۶۴.

علم یوم آخرت پر ایمان کا درس دیتا ہے:

روزِ قیامت جہاں اور تمام اعمال کے متعلق سوال ہوگا، وہاں علم کے بارے میں بھی سوال ہوگا، چنانچہ سیدنا ابوالسلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمْرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جَسَمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ)) ❶

”قیامت کے دن کسی بندے کے قدم (پانچ چیزوں کے بارے میں) سوال کیے جانے کے بغیر نہیں اٹھ سکیں گے یعنی بارگاہِ الہی سے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(1) اس کی عمر کے بارے میں کہ اس نے اسے کن کاموں میں ختم کیا؟

(2) اس کے علم کے متعلق کہ اس نے علم کو کیسے استعمال کیا۔ (لڑائی جھگڑوں کے لیے، شہرت کے لیے یا اللہ کی رضا کے لیے)

(3) اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اس کو کہاں سے کمایا۔

(4) اور کہاں خرچ کیا۔

(5) اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اس نے کن چیزوں میں اسے بوسیدہ کیا۔“

شہنشاہِ دو جہاں، اللہ رب العزت روزِ قیامت جب مخلوقات کا حساب لے ہوگا، تو ساری مخلوقات اس کے سامنے اس کے جلال و عظمت اور کبریائی سے ایسی مرعوب ہوگی کہ کسی کو اس کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوگی، موت کے بعد صرف وہی لوگ دوسروں کی سفارش کی خاطر اللہ عزوجل سے بات کریں گے، جنہیں وہ جبار اور قہار بات کرنے کا اذن بخشے گا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

❶ سنن ترمذی، باب فی القيامة، رقم: ۲۴۱۷۔ سلسلة الصحيحة: ۹۴۶۔

﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۖ لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ
الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ (النبا: ۳۸)

”اس (قیامت کے) دن روح الامین (جبرائیل) اور دیگر فرشتے (بھی) صفوں
میں کھڑے ہوں گے، رحمان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی کلام نہیں کر سکے گا، اور
(جس کو وہ اجازت دے گا) وہ صاف صاف بات کرے گا۔“

علم ہو تو دعوتِ الی اللہ کا کام ضرور کریں:

اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر کہا ہے کہ بالعموم انسان خسارے میں ہے، سوائے اس
آدمی کے جس کے اندر چار صفات پائی جائیں، جن کا ذکر سورۃ العصر کی آیت نمبر ۳ میں آیا ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝۱ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝۲ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳﴾ (العصر)

”زمانے کی قسم! بے شک انسان گھائے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو
ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، اور ایک دوسرے کو (ایمان اور عمل
صالح کی) نصیحت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔“

1- اللہ رب العزت نے جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، ان پر ایمان لائیں۔

2- عمل صالح کا اہتمام کریں۔

3- ایمان اور عمل صالح میں آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کریں اور ان پر عمل کی رغبت
دلائیں۔

4- اللہ کی طاعت و بندگی بجالانے، اور نواہی میں جو تکلیف اور زحمت اٹھانی پڑے، اس پر
ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں، نیز ان دیگر تکلیفوں پر بھی ایک دوسرے کو صبر کی
نصيحت کریں، جو اللہ کی تقدیر کا نتیجہ ہوتی ہیں اور جنہیں اللہ کے سوا کوئی ٹال نہیں سکتا۔

پس جس بندے میں یہ چاروں صفات پائی جائیں گی وہ خسارے اور گھائے سے بچ

جائے گا، اور دونوں جہانوں دنیا و آخرت میں فوز و فلاح کا حق دار ٹھہرے گا۔

نبی کریم ﷺ کا ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلانا آپ کا طریقہ، منہج اور سنت تھا۔ آپ ﷺ اور آپ کے ماننے والے اہل ایمان واضح دلیل و برہان کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے۔ اس عقیدہ اور ایمان کے ساتھ کہ اللہ کی ذات ہر عیب و نقص سے پاک ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ مقابل، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ بیوی۔ وہ ان تمام عیوب و نقائص اور تمام کمزوریوں سے یکسر پاک ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ

وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾ (یوسف: ۱۰۸)

”اے نبی! آپ اعلان کر دیجیے، میری یہی راہ ہے، میں اور میرے فرمانبردار پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

”اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اسلام کی دعوت دلیل و حجت کی بنیاد پر ہے۔ قرآن کریم نے اسی کی تعلیم دی ہے، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اسی منہج پر قائم رہے۔ انہوں نے لوگوں کو دلائل کے ذریعہ قانع کرنے کی کوشش کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے ماننے والے ہر دور میں اللہ کی مخلوق کو اس کی توحید و عبادت کی دعوت دیتے رہیں گے۔ اور دعوت میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ گفتگو مخاطب کی عقل و سمجھ کے مطابق ایسی صاف ستھری ہو کہ وہ آسانی کے ساتھ قرآن و سنت کی دعوت کو سمجھ لے.....“ (تیسیر الرحمن، ص: ۷۰۲)

اس آدمی سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے، اور جن اعمالِ صالحہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے ان پر پہلے خود عمل کرتا ہے، اور پورے فخر و اعزاز کے ساتھ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ ۳۴ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۳۵﴾

(حکم السجدہ: ۳۳، ۳۴)

”اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے، جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے، اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہو جائے گا کہ وہ دوست ہے نہایت گہرا۔“

”مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق سب سے پہلے انبیائے کرام ہیں، پھر علماء، پھر مجاہدین، پھر اذان دینے والے، پھر توحید خالص اور قرآن و سنت کی دعوت دینے والے۔ (مزید برآں) نبی کریم ﷺ اور دیگر دعاۃ الی اللہ کو ایک بہت ہی اہم تعلیم دی گئی ہے، اور اس کی ابتدا یوں کی گئی ہے کہ اچھا عمل اور بُرا عمل دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں، اچھا عمل آدمی کو جنت تک پہنچاتا ہے اور فرشتوں کی صحبت کا سبب بنتا ہے، اور بُرا عمل جہنم کی طرف لے جاتا ہے، اور شیاطین کی دوستی کا ذریعہ بنتا ہے، اس لیے اے میرے نبی! اگر کوئی برائی آپ کے آڑے آئے، تو اچھائی کے ذریعہ اسے اپنے آپ سے دُور کر دیجیے، برائی کا جواب اچھائی سے، قصور کا جواب عفو و درگزر سے، غصہ کا جواب صبر سے، لغزش کا جواب نظر انداز کر کے اور دعوت کی راہ میں ایذا رسانیوں کو برداشت کر کے دیجیے۔ آپ جب ایسا کریں گے تو دشمن دوست اور دُور قریب کی طرح ہو جائیں گے۔

قاشانی لکھتے ہیں: جب آپ دشمن کی برائی کو کسی بہت ہی بہتر اچھائی کے ذریعہ دُور کر سکتے ہیں، تو اس سے کم درجہ کی اچھائی کے ذریعہ اسے دُور نہ کیجیے۔ برائی کے ذریعہ اس کا دُور کرنا تو کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ آگ کے شعلے اور بھڑک اٹھیں گے، اور آپ

اپنی خواہش اور شیطان کے بیروکار ہو جائیں گے۔“ (تیسرے الرحمن: ۱۳۳۳-۱۳۳۴)

لوگوں کو قرآن و سنت کے فہم اور صحابہ کرام کے منہج پر دعوت دین دینے میں اللہ کی رضا ہے، اور اسی کی دعوت سلف صالحین نے دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿هَذَا بَلَّغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنذَرُوا بِهِ وَ لِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ وَ لِيَذْكُرُوا الْأَبْنَآءَ﴾ (ابراہیم: ۵۲)

”یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے اطلاع نامہ ہے کہ اسی کے ذریعے سے وہ ہوشیار کر دیے جائیں، اور بخوبی معلوم کر لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقل مند لوگ سوچ سمجھ لیں۔“

مندرجہ بالا آیات میں دعوت الی اللہ کی اہمیت کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور سوالیہ انداز اپنا کر اس کی اہمیت کو اور اجاگر کر دیا گیا ہے۔

اور مشہور قاعدہ ہے کہ کلام میں کبھی کبھی استفہام، سوالیہ انداز کسی بھی شے کی رفعتِ شان کے لیے آتا ہے۔

دعوتِ الی اللہ کی خاطر مصائب و آلام برداشت کرنا:

قارئین کرام! گزشتہ آیات کریمہ میں جہاں دعوتِ الی اللہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، وہاں اس راستے پر چلنے والے کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَ مَا يُلْقِهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ﴾^(۳۵)
وَ إِنَّمَا يَنزَغُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۶﴾ (حَمَّ السَّجْدَةِ: ۳۵-۳۶)

”اور یہ بات انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں، اور اسے سوائے بڑے نصیب والوں کے کوئی نہیں پاسکتا۔ اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ سے پناہ طلب کرو، یقیناً وہ بہت ہی سننے والا ہے۔“

حافظ ابن کثیر، ان آیات کریمہ کی تفسیر میں مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کرتے ہیں:

((أَمَرَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ بِالصَّبْرِ عِنْدَ الْغَضَبِ، وَالْحِلْمِ عِنْدَ الْجَهْلِ، وَالْعَفْوِ عِنْدَ الْأَسَاءَةِ- وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوَّهُمْ كَأَنَّهُ وَلِيُّ حَمِيمٍ))^①

”یعنی اللہ تعالیٰ مؤمنین کو غصے کے وقت صبر، لاعلمی میں بردباری، اور بدسلوکی کیے جانے پر معافی کا حکم دیتا ہے۔ اور (ان اوصاف کے نتیجے میں) ان کے دشمن کو ان کے سامنے ایسے جھکا دے گا جیسے کہ دلی دوست۔“

ظاہر بات ہے کہ اس راستے پر چلنے والے کو مختلف راہوں سے گزرنا پڑتا ہے، جیسا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی ساری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اور وہی محمد مصطفیٰ ﷺ جو سب سے پہلی وحی آنے کے بعد گھبرا کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تھے۔ تو رب العالمین نے آپ ﷺ کو اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے واضح الفاظ میں یوں مخاطب کیا تھا:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۖ قُمْ فَأَنذِرْ ۚ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۚ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۚ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۚ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۚ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۚ﴾^②

(المدثر: ۱-۷)

”اے چادر اوڑھنے والے! کھڑے ہو جا۔ پس (لوگوں کو) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھ، اور ناپاکی سے دور رہ۔ اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر۔ اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر۔“

داعی الی اللہ کے اوصاف:

قارئین کرام! ان مذکورہ بالا آیات کریمہ پر غور کیا جائے، تو داعی دین کے کچھ اوصاف

معلوم ہوتے ہیں جو ذیل کی سطور میں قدرے تفصیل کے ساتھ سپردِ قمر طاس کیے دیتے ہیں۔
(1) دعوتِ دین کے لیے کمر بستہ ہو جانا:

دعوتِ دین کے لیے کسی بھی قسم کے سمجھوتے اور دباؤ کو نہ صرف نظر انداز کر دیا جائے، بلکہ اس کا ہر ممکن منہ توڑ جواب دیا جائے۔ جیسا کہ (سورہ مدثر) کی پہلی تین آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾

”اے چادر اوڑھنے والے! آپ کھڑے ہو جائیں اور لوگوں کو (ان کے رب سے) ڈرائیں۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔“

لوگوں کو ڈرائیں، کس چیز سے ڈرائیں؟ کس انداز سے ڈرائیں؟ کیا ان سے اس معاملے میں کوئی سمجھوتہ (یا ڈیلنگ) بھی ہو سکتی ہے، یا نہیں؟ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنی باتیں منوانے کے لیے ان کے بعض نظریات کو بھی تسلیم کر لیا جائے؟ نہیں! نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ ربِّ کائنات تو پہلے دن سے آپ کی تربیت یوں کرتے ہیں:

﴿قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾

”کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں، اور اپنے رب کی تکبیرات کی صدائیں بلند کریں۔“

یعنی ان کو بتوں کی پوجا پاٹ کے نتیجے میں ملنے والے عذابِ الہی سے ڈرائیں، ان کو لات و عزی کی عبادت کے نتیجے میں رحمان کی دوری سے ڈرائیں، اور اس انداز سے ڈرائیں کہ اتنا کچھ کہنے اور سمجھانے کے باوجود لات و عزی کی عبادت کو ترک نہ کرنے والوں کے دلوں میں بھی رب کی کبریائی کی دھاک بیٹھ جائے، اور کفر کے ایوانوں میں بھی (اللہ اکبر) کی صدائیں گونج اٹھیں، تاکہ اگر وہ توحید باری تعالیٰ کو تسلیم نہ بھی کریں تو کم از کم ان کے دلوں میں اہل توحید کا رعب و دبدبہ ضرور بیٹھ جائے۔

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾

”اور اپنے رب کی تکبیریں بلند کریں۔“

یعنی آپ کی تکبیر کی صداؤں میں اس قدر جذبہ ایمانی پیدا ہونا چاہیے کہ ان کے کانوں میں اللہ اکبر کی آواز پہنچے ہی ان کے کفر سے لبریز دماغوں اور دلوں پر لرزہ طاری ہو جائے۔

﴿وَتِيَابَكَ فَطَهَّرَ﴾

”اپنے کپڑوں کو پاک و صاف رکھیں۔“

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾

”اور ناپاکی سے دور ہو جائیے۔“

ان دونوں مذکورہ بالا آیات کریمہ میں واضح طور پر جبکہ آپ ﷺ دعوت الی اللہ کے ابھی ابتدائی مراحل میں قدم رکھنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ایک داعی کے اندر پائے جانے والے انتہائی اہم اوصاف کو بیان فرمایا ہے۔

(1) لباس کی صفائی (2) ناپاکی سے اجتناب

نوٹ :..... اکثر مفسرین نے ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ سے بتوں کی پوجا سے اجتناب مراد لیا ہے۔^① اور بعض نے اس سے رب العالمین کی معصیت اور نافرمانی سے اجتناب بھی مراد لیا ہے۔^②

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان دونوں معانی کو بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

((وَعَلَىٰ كُلِّ تَفْدِيرٍ فَلَا يَلْزَمُ تَلْبَسُهُ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ كَقَوْلِهِ تَعَالَىٰ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّبِعِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾

[الأحزاب: ۱]۔))

”یعنی ان دونوں میں سے کسی بھی معنی کو مراد لیا جائے، تو اس سے کوئی التباس

① تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۴۱۔ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام از نواب صدیق حسن خان قنوجی،

ص: ۳۴۶، طبع نعمانی کتب خانہ، لاہور۔

② تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۴۱۔

واقع نہیں ہوتا (کیونکہ بتوں کی پوجا بھی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی ہے۔ جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے: اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈریئے، اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کیجیے۔“

مندرجہ بالا توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دعوتِ دین کے لیے کھڑا کرنے سے پہلے جو آپ کی تربیت فرمائی، وہ دو چیزوں پر مشتمل تھی۔

(1) ظاہری صفائی۔ (2) باطنی صفائی۔

(1) ظاہری صفائی: ﴿وَيُثَابِتْكَ فَطْهَر﴾ سے مراد ہر قسم کی ظاہری صفائی مراد ہے۔ اس کا تعلق لباس سے ہو یا جسم سے۔ ❶

(2) باطنی صفائی: سے مراد باطنی طور پر عقائد و اعمال کی صفائی مراد ہے۔ جس کی وضاحت پیچھے گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

مبلغین اور واعظین کے لیے لمحہ فکر یہ!

اس موقع پر ہم یہ وضاحت کر دینا انتہائی ضروری سمجھتے ہیں کہ مبلغین اور واعظین حضرات جو منبر و محراب کے وارث ہیں، ان کو اس عظیم منصب پر فائز ہونے سے پہلے مندرجہ بالا دونوں اوصاف کا حامل ہونا چاہیے، کیونکہ اگر وہ خود ان صفات کے حامل ہوں گے تو لوگوں کی تربیت بھی درست انداز سے کر سکیں گے، اور اس صورت میں کم از کم ظاہری یا باطنی اعتبار سے ان کی ذات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکے گا، جس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ان کی شخصیات باکردار بن جائیں گی، جس کا اثر ماحول کی ظلمتوں کے اندر روشنی کی امید بن کر آئے گا۔ اس طرح سے ناممکن بھی اللہ کی توفیق سے ممکن بنتا چلا جائے گا، اور اللہ رب العزت مخالفین کے دلوں کے اندران کی محبت کو ڈال دے گا۔

❶ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام، ص: ۳۴۶، طبع مکتبہ نعمانیہ۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۱، ملخصاً۔

اس کے برعکس اگر ایک واعظ اور مبلغ کے قول و فعل میں تضاد ہوگا، تو اس سے بیگانے تو دور کی بات، اپنے بھی متنفر ہو جائیں گے۔ اگر قوم کو صحیح اسلامی عقیدے کا سبق دینے والے کا اپنا ہی عقیدہ درست نہیں ہوگا، تو وہ دوسروں کے غلط عقائد کی اصلاح کس طرح کر سکے گا؟

2۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دینا:

لوگوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینی چاہیے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کی۔ یعنی داعی کی صفت یہ ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے والا ہو۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝۳۳﴾ (حم السجده: ۳۳)

”اور اس آدمی سے زیادہ اچھی بات والا کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا، اور عمل صالح کیا، اور کہا کہ میں بے شک مسلمانوں میں سے ہوں۔“

3۔ جن اعمال کی طرف لوگوں کو دعوت دے، ان پر خود عمل کرتا ہو:

داعی الی اللہ کی ایک صفت یہ بھی ہونی چاہیے کہ جن اعمالِ صالحہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، ان پر پہلے خود عمل کرتا ہو، اور پورے فخر و اعزاز سے کہہ سکتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے واضح ہے۔

داعی جو کہے اس کے مطابق عمل نہ کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝۳۴﴾ (الصف: ۲-۳)

”اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ہو۔ یہ بات اللہ کو بہت ہی زیادہ ناپسند ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔“

4۔ حکمت و دانائی کے ساتھ دعوت دینا:

واعظ اور داعی کا یہ وظیفہ ہے کہ وہ حکمت اور دانائی کے ساتھ دین کی دعوت دے، اسی صورت میں دعوت کے صحیح ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (النحل: ۱۲۵)

”آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلائیے، اور ان کے ساتھ بحث و نقاش میں سب سے عمدہ اسلوب اختیار کیجیے، بے شک آپ کا رب اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے برگشتہ ہو گئے ہیں، اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔“

”اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ مخلوق کو اس کے دین کی طرف حکمت اور دانائی کے ساتھ بلائیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ”حکمت سے مراد قرآن و سنت ہے۔ یعنی دعوت کا طریقہ ان ہی دونوں کی روشنی میں متعین کریں۔ صاحب فتح البیان کہتے ہیں کہ ”حکمت“ سے مراد ایسی صحیح اور صریح بات ہے جو حق کو واضح کر دے اور ہر شک و شبہ کا ازالہ کر دے۔ اور ”موعظہ“ سے مراد ایسی اچھی گفتگو ہے جسے سننے والا پسند کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن اگر داعی الی اللہ کا واسطہ کبھی سخت اور جھگڑالو مخالف سے پڑ جائے تو اس کے سامنے حق کو بیان کرنے کے لیے مناظرانہ اسلوب اختیار کرے۔

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے یعنی نرمی کے ساتھ ایسی مدلل بات کرے کہ اس کا شر دَب جائے، اور حق کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حق کی دعوت کو قبول نہیں کرتا تو پھر پریشان نہ ہوں، اس لیے کہ ہدایت دینا آپ کا کام نہیں ہے۔“ (تیسیر الرحمن: ۷۹۲/۱)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ان کی ذمہ داری یاد دلائی ہے کہ آپ کا کام محض تبلیغ و دعوت ہے، اسے آپ پورا کرتے رہیے، کسی کو ایمان لانے اور راہِ راست اختیار کرنے پر مجبور کرنا آپ کا کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ٤٥﴾

(ق: ۴۵)

”اور آپ اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں، پس آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو سمجھاتے رہیے جو میرے وعید سے ڈرتے ہیں۔“

﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ٤٦ كَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ٤٧﴾

(الغاشیہ: ۲۱، ۲۲)

”پس آپ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہیے، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ لوگوں پر داروغہ مقرر نہیں ہیں۔“

5۔ تکالیف اور مصائب میں صبر کرنا:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں جو تکلیف اور زحمت اٹھانی پڑے، اس پر صبر کرنا اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا بھی داعی الی اللہ کی صفات میں سے ایک عظیم الشان صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ١ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ٢ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٣﴾ (العصر)

”زمانے کی قسم! بے شک انسان گھٹائے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، اور ایک دوسرے کو (ایمان اور عمل صالح کی) نصیحت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔“

مبلغین اور واعظین کے فضائل:

یہ تو تھیں چند گزارشات مبلغین و واعظین کی تربیت کے اعتبار سے۔ اب ہم عالم اور داعی الی اللہ کے چند ایک فضائل قرآن و سنت کی روشنی میں ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔
مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اُس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو لوگوں کو صرف معبودِ برحق کی طرف بلاتا ہے، اور توحیدِ خالص اور قرآن و سنت کی دعوت دیتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

1: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝۳۱﴾ (حَمَّ السَّجْدَةِ: ۳۳)

”اور اس آدمی سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے، جو اللہ کی طرف بلاتا ہے، اور نیک عمل کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بے شک میں مسلمان ہوں۔“
2: جو شخص داعی الی اللہ ہو، وہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کا مستحق ٹھہرتا ہے:

((نَضَّرَ اللَّهُ أَمْرًا أَسْمَعَ مَنَا حَدِيثًا فَبَلَّغَهُ، فَرُبَّ مُبَلِّغٍ أَحْفَظُ مِنْ سَامِعٍ)) ❶

”اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی پھر اس کو دوسروں تک پہنچایا۔ بہت سے لوگ جنہیں حدیث پہنچتی ہے وہ براہِ راست سننے والوں سے بھی زیادہ یاد رکھتے ہیں۔“

3: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:
”جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی تو اس کے لیے اتنا ہی ثواب ہے، جتنا کہ اس پر عمل کرنے والوں کا ہے۔ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی واقع نہیں

❶ سنن ابن ماجہ، باب اتباع سنة رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ۲۳۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

ہوتی، اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی اس پر اتنا گناہ ہوگا جتنا اس
(برائی) پر عمل کرنے والوں کو ہوتا ہے۔ اور ان میں سے کسی کے گناہ میں کوئی
کمی واقع نہیں ہوتی۔“ ❶

تفقہ فی الدین:

علم حاصل کرنا اور اس کے بعد دین کی سمجھ حاصل کرنا بہت ہی عظیم عمل ہے۔ ارشادِ باری
تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ
طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ
يَحْذَرُونَ﴾ (التوبة: ۱۲۲)

”مسلمانوں کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں۔ ایسا
کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا
کرے، تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور تاکہ یہ لوگ جب اپنی قوم کے
پاس آئیں تو انھیں ڈرائیں، تاکہ وہ برے کاموں سے ڈر جائیں۔“

دین کی سمجھ اور فہم و فراست اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری
تعالیٰ ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا
وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (البقرة: ۲۶۹)

”(اللہ تعالیٰ) جسے چاہتا ہے حکمت و دانائی عطا فرمادیتا ہے، اور جسے حکمت عطا
کردی گئی اسے بہت زیادہ بھلائی مل گئی۔ اور نہیں نصیحت حاصل کرتے، مگر عقل
والے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((لَيْسَتْ بِالنَّبَوَّةِ، وَلَكِنَّهُ الْعِلْمُ، وَالْفَقْهُ، وَالْقُرْآنُ.))^①

”یعنی (اس مقام پر) حکمت نبوت کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ تحصیل علم، تفقہ فی الدین اور تعلم قرآن کے ساتھ عام ہے۔“

مزید لکھتے ہیں:

((قَالَ مَالِكٌ: وَانَّهُ لَيَقَعُ فِي قَلْبِي أَنَّ الْحِكْمَةَ هُوَ الْفَقْهُ فِي دِينِ اللَّهِ، وَأَمْرٌ يَدْخُلُهُ اللَّهُ فِي الْقُلُوبِ مِنْ رَحْمَتِهِ، وَنَفْسِهِ، وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذَلِكَ إِنَّكَ تَجِدُ الرَّجُلَ عَاقِلًا فِي أَمْرِ الدُّنْيَا إِذَا نَظَرَ فِيهَا وَتَجِدُ آخَرَ ضَعِيفًا فِي أَمْرِ دُنْيَاهُ، عَالِمًا بِأَمْرِ دِينِهِ، بَصِيرٌ بِهِ، يُؤْتِيهِ اللَّهُ إِيَّاهُ وَيَحْرِمُهُ هَذَا، فَالْحِكْمَةُ الْفَقْهُ فِي دِينِ اللَّهِ))^②

”امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بات یقینی طور پر میرے دل میں جاگزیں ہو چکی ہے کہ حکمت سے مراد اللہ کے دین کی سمجھ اور ایسا معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے دلوں میں الہام فرمادیتا ہے، اور اس کی مثال جس سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے یہ ہے کہ آدمی کبھی دنیاوی معاملات میں جب دلچسپی لینے والا ہو تو بڑا عقل مند ثابت ہوتا ہے، لیکن (اس کے مقابلے) میں ایک دوسرا آدمی دنیاوی معاملات میں تو کمزور ہے، لیکن دینی معاملات میں انتہائی علم و بصیرت رکھنے والا ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اسی کو عطا کی ہے۔ جبکہ اول الذکر اس سے محروم ہے، پس حکمت سے مراد اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرنا ہے۔“

اسی طرح نبی مکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

((مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللَّهُ

② تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۲۲.

① تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۲۲.

يُعْطِي وَلَنْ تَرََالَ هَذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ .)) ❶

”اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے، اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی، اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے گا)۔“

علم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جہاں اوامر و نواہی کا تذکرہ کیا ہے، وہاں سابقہ انبیاء علیہم السلام و امم کے واقعات بھی تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ ان ہی انبیاء علیہم السلام میں سے ایک واقعہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ”سورۃ الکہف“ میں قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور یہی واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ”صحیح الجامع“ کے اندر مکمل تفصیل سے بیان کیا ہے۔ واقعہ کے الفاظ صحیح بخاری میں یوں مرقوم ہیں:

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسٍ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى : قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : هُوَ خَضِرٌ ، فَمَرَّ بِهِمَا أَبُو بَنُ كَعْبٍ ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ ، فَقَالَ : إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقْيِهِ : هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ : بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَأٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ ، جَاءَهُ رَجُلٌ ، فَقَالَ : هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمُ مِنْكَ ؟

قَالَ مُوسَى: لَا، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى مُوسَى: بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ، إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، وَكَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ لِمُوسَى فَتَاهُ ﴿أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ نَوْمًا أَنَسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أُنْكِرَهُ﴾ ﴿قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا الَّذِي قَصَّ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ فِي كِتَابِهِ﴾ ❶

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کی حرب بن قیس بن حصن فزاری کے ساتھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں بحث ہوئی۔ ابن عباس نے کہا کہ وہ خضر تھے (اسی اثناء میں) ان کے پاس سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ انھیں بلا کر کہنے لگے کہ میں اور میرے یہ رفیق موسیٰ علیہ السلام کے اس ساتھی کے متعلق بحث کر رہے ہیں کہ جس سے انھوں نے ملاقات کا ارادہ کیا تھا۔ کیا آپ نے نبی اکرم ﷺ سے ان کے بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ایک دن موسیٰ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی آیا کہ آپ (دنیا میں) کسی ایسے آدمی کو جانتے ہیں جو آپ سے بڑھ کر عالم ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ ہاں! ہمارا بندہ خضر ہے جس کا علم تم سے زیادہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دریافت کیا کہ خضر علیہ السلام سے ملنے کی کیا صورت ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے ایک مچھلی کو ان سے ملنے کی علامت قرار دیا اور ان سے کہا کہ جہاں یہ مچھلی تم سے گم ہو جائے تو (ادھر کو) لوٹ جاؤ، تب سیدنا خضر علیہ السلام سے تمہاری ملاقات ہوگی، چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام (چلے اور) دریا میں مچھلی کی علامت تلاش کرتے رہے، تو اس وقت ان کے ساتھی نے کہا، کہ کیا آپ نے دیکھا تھا جب ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مچھلی بھول گیا تھا، دراصل شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اسی مقام کی ہمیں تلاش تھی، تب وہ اپنے نشانات قدم پر (پچھلے پاؤں) باتیں کرتے ہوئے لوٹے (وہاں) انھوں نے خضر علیہ السلام کو پایا۔ پھر ان کا وہی قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔“

اس روایت سے ہمیں مندرجہ ذیل باتیں بطور نصیحت معلوم ہوتی ہیں:

- 1: انسان کو کبھی بھی اپنے آپ کو بڑا عالم نہیں سمجھنا چاہیے، اگرچہ اس کا مرتبہ کس قدر عالی ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ہر حال میں عاجزی و انکساری کا اظہار کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اگر دنیا میں اس سے بڑا عالم نہیں ہے تو اللہ رب العزت جو دنیا کے تمام معاملات کو چلا رہا ہے وہ سب سے بڑا عالم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ عَلَيْهِمْ ۖ﴾ (یوسف: ۷۶)

”اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والی ذات (اللہ تعالیٰ) ہے۔“

- 2: اگر انسان سے یہ غلطی سرزد ہو جائے، تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

- 3: علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا خواہ راستہ کتنا ہی کٹھن اور دشوار گزار ہو۔ واللہ اعلم علم کے اٹھ جانے پر فتنوں کا ظاہر ہونا:

جب تک علم رہتا ہے فتنے ظاہر نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ قرب قیامت جب علم اٹھ

جائے گا، تو فتنے ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ چنانچہ امام سالم رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ؛
 ((سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يُقْبَضُ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ، وَالْفِتْنُ، وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا الْهَرْجُ؟ فَقَالَ هَكَذَا بِيَدِهِ، فَحَرَّفَهَا كَأَنَّهُ يُرِيدُ الْقَتْلَ.)) ❶

”میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے سنا: آپ نے فرمایا کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب) علم اٹھالیا جائے گا، جہالت اور فتنے عام ہو جائیں گے، اور ”ہرج“ بڑھ جائے گا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! ”ہرج“ سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ فرمایا: گویا کہ آپ نے اس سے قتل مراد لیا۔“

اس بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول قارئین کے استفادہ کے لیے تحریر کر دیتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا، فَلَيْسَتْ بِيَمَنِ قَدَمَاتٌ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤَمِّنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوا أَفْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ، أَبْرَهَا قُلُوبًا، وَأَعَمَّقَهَا عِلْمًا، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ، وَلَا قَامَةَ دِينِهِ، فَأَعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ، وَاتَّبِعُوهُمْ عَلَى أَثَرِهِمْ، وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ.)) ❷

”جو شخص (نبی اکرم ﷺ کے علاوہ) کسی اور کا طریقہ کار اختیار کرنا چاہتا ہے، اسے ان لوگوں کا راستہ اختیار کرنا چاہیے جو وفات پا چکے ہیں، کیونکہ زندہ لوگوں

❶ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من احب الفتناء، رقم: ۸۵.

❷ مشکوٰۃ المصابیح: ۵۴/۱۔ طبع، شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم، بيروت.

پرفتنوں سے امان نہیں ہے (ان فوت شدگان سے مراد) نبی اکرم ﷺ کے صحابہ تھے جو اس امت کے افضل ترین، سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ مضبوط علم والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے، جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے، اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے چنا تھا، پس تم ان کی فضیلت کو خوب پہچان لو، ان کے آثار (طریقہ) کی اتباع کرو اور بقدر استطاعت ان کے اخلاق و سیرت کو اپنالو، کیونکہ وہ لوگ راہ ہدایت اور صراطِ مستقیم پر تھے۔“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول اور گذشتہ روایت دونوں کو ملا کر اگر غور کیا جائے، تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اہل علم کی موجودگی میں فتنوں کا خدشہ کم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس علماء کرام کی عدم موجودگی میں گمراہی کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں فتنے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

((إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ أَنْتَرَا عَا يَنْتَرِعُهُ مِنَ النَّاسِ ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا ، اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جَهْلًا ، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا))^①

”اللہ رب العزت علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے لوگوں (کے سینوں) سے اچک لے، بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کرام کو فوت کر دے گا، حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہل لوگوں کو بڑا سمجھیں گے، تو جب ان سے لوگ (کسی دینی معاملے میں) سوال کریں گے، تو وہ لوگ لاعلمی کی حالت میں فتویٰ دیں گے، جس کے نتیجے میں وہ خود بھی گمراہ ہوں گے، اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

اس روایت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فتنوں کا ظہور علم کی عدم موجودگی میں ہوگا، جس کے نتیجے میں لوگ دینی مسائل پوچھنے کے لیے ایسے لوگوں کی طرف رجوع کریں گے، جن کو ان مسائل کے بارے میں علم ہی نہیں ہوگا۔ تو وہ لوگ لاعلمی کی وجہ سے ان مسائل کے صحیح جواب دینے کے بجائے اپنی رائے کی روشنی میں جواب دیں گے جو کہ گمراہی کا باعث ہے، جس کے نتیجے میں فتنوں کا ظہور لازم آتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے رسول اکرم ﷺ کا ایک اور فرمان عالی شان قارئین کی نظر کر رہے ہیں۔

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: تَرَكَتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ، وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ.)) ❶

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے، گمراہ نہیں ہو گے (وہ چیزیں) اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور اس کے نبی کی سنت (حدیث رسول اللہ ﷺ) ہے۔

اس روایت سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ مسلمان جب تک کتاب و سنت کو اپنا عملی جامہ بنائے رکھیں گے، اس وقت تک گمراہ نہیں ہوں گے، لیکن جو نبی کتاب و سنت کو چھوڑ کر کسی تیسری چیز کی تلاش میں نکلیں گے، تو گمراہی ان کا مقدر بن جائے گی، جو کہ ابتلاء و فتن کی باعث ہے۔

اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ
وَارِنَا الْبَاطِلَ بِكَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ

علم اور تدوینِ علم:

ہماری اس کتاب میں علم سے مراد ”قرآن و حدیث“ کا علم ہے۔ چونکہ منکرینِ حدیث

❶ الموطأ، کتاب القدر، باب النهی عن القول بالقدر، رقم: ۳۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ۱۷۶۱۔

کی طرف سے انکارِ حدیث کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ حدیث کی تدوین کا رواج عہدِ صحابہ میں نہ تھا، جس کی وجہ سے بعد میں آنے والے لوگوں نے ان میں اپنی آراء کو شامل کر دیا تھا، لہذا ہم ہر اس روایت کا انکار کرتے ہیں جو مفہوم قرآنی کے خلاف ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس اعتراض کے ابطال میں چند ایک دلائل کو ہدیہ قارئین کیا جائے، تاکہ لوگ ان کے باطل نظریات اور سطحی افکار سے بچ سکیں۔

جلیل القدر صحابی رسول سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي إِلَّا مَا

كَانَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو ، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ .)) ❶

”نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ مجھ سے زیادہ

کوئی بھی حدیث بیان کرنے والا نہیں تھا۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ (حدیث)

لکھ لیا کرتے تھے، جبکہ میں لکھا نہیں کرتا تھا۔“

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

منکرین حدیث کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اس روایت سے تو صرف سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حدیث لکھنے کی وضاحت ہوتی ہے، جبکہ روایت تو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بیان کرتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے؛ ان کا نام انھوں نے کثرتِ روایت کی بناء پر لیا ہے۔ جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث لکھنے کے شواہد موجود ہیں۔

امام شعبی رحمہ اللہ ابو حنیفہ سے بیان فرماتے ہیں:

((قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيِّ: هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا كِتَابُ

اللّٰہ، اَوْ فَهَمْ اَعْطِيَهُ رَجُلٌ مُّسْلِمٌ، اَوْ مَا فِيْ هَذِهِ الصّٰحِيفَةِ،
 قَالَ: قُلْتُ: فَمَا فِيْ هَذِهِ الصّٰحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ، وَفَكَأُكَ الْاَسِيرُ،
 وَلَا يُقْتَلُ مُّسْلِمٌ بِكَافِرٍ ۝۱

”میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں، مگر اللہ کی کتاب، قرآن ہے، یا پھر وہ فہم ہے جو ایک مسلمان کو عطا کیا ہوتا ہے۔ یا پھر جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ (اس صحیفے میں) دیت (مقتول کے ورثاء کو قاتل کی طرف سے خون بہا ادا کرنا) اور قیدیوں کی رہائی کا بیان ہے۔ اور یہ حکم کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔“

اس سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ عہدِ صحابہ میں حدیث لکھنے کا رواج موجود تو تھا، البتہ تدوین کا سلسلہ نہیں تھا۔ اس سلسلے میں بین ثبوت یہ بھی ہے: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کو احادیث لکھوائیں تھیں، جو اللہ کے فضل سے (صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے) آج بھی مطبوعہ صورت میں موجود ہے۔ جس کا اردو ترجمہ اور شرح ”انصار السنۃ پبلی کیشنز“ کی طرف سے مارکیٹ میں آنے والا ہے۔ (وللّٰہ المنة وله الثناء الحسن)

خليفة وقت عمر بن عبد العزيز رحمہ اللہ کا ابو بکر بن حزم کے نام خط!

صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے کہ:

((وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ بْنِ حَزْمٍ: اَنْظُرْ مَا
 كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَاَكْتَبْتُهُ، فَلِيْنِيْ خِفْتُ دُرُوسَ
 الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءُ، وَلَا تَقْبَلْ اِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ ﷺ

وَلْيَقْضُوا الْعِلْمَ، وَلْيَجْلِسُوا حَتَّى يَعْلَمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ، حَتَّى يَكُونَ سِرًّا. ❶

”خليفة عمر بن عبدالعزيز رحمہ اللہ نے ابو بکر بن حزم کو خط لکھا کہ تمہارے پاس رسول اکرم ﷺ کی جتنی بھی حدیثیں ہوں، ان پر نظر (غور و فکر کرو) اور انھیں لکھ لو کیونکہ مجھے علم دین اور علماء دین کے مٹنے کا اندیشہ ہے۔ اور نبی معظم ﷺ کے علاوہ کسی کی حدیث قبول نہ کرو، اور لوگوں کو چاہیے کہ علم پھیلائیں اور (ایک جگہ جمع کریں) بیٹھیں، تاکہ جاہل بھی (علم کے بارے میں) جان لے، اور علم چھپانے ہی سے ضائع ہوتا ہے۔“

حصول علم کے لیے چلنا جنت کی طرف لے جاتا ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنْ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَوْحَى إِلَيَّ أَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيقَ الْجَنَّةِ، وَمَنْ سَلَبَتْ كَرِيمَتَهُ أَثْبَتَهُ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ، وَفَضَّلُ فِي عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلِ عِبَادَةٍ وَمَلَكَ الدِّينِ أَلَوْعُ. ❷))

”اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے میں چلا، تو میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دوں گا، اور جس کی میں دونوں آنکھیں لے لوں اس کو ان کے بدلے میں جنت عطا کروں گا۔ اور علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے، اور

❶ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، باب نمبر: ۳۴۔

❷ صحیح: شعب الإيمان، باب فی المطاعم والمشارب، رقم: ۵۷۵۱۔

دین کی جڑ پر ہیزگاری ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول رب العالمین، محمد رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا:

((مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسِّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ ، وَعَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ ، وَمَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ .)) ❶

”جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی سختی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں کو دور کرے گا، اور جس نے تنگدست پر آسانی کی، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمادے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ اور جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے میں چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادے گا۔ اور جو لوگ بھی جمع ہو کر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتے اور معانی بیان کرتے ہیں، ان پر

❶ صحیح مسلم، کتاب الدعوات، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، رقم : ۶۸۵۳۔

(اللہ کی طرف سے) سکینت نازل ہوتی ہے، اور رحمت ان پر ڈھلکتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کا ذکر ان فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں، اور جس کا عمل تاخیر کرے اس کا نسب جلدی نہیں کرے گا۔ (یعنی اعمال میں سستی کرنے والے کو نسب کی وجہ سے نجات نہیں مل سکے گی۔)“

علم بہترین صدقہ جاریہ ہے:

جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اعمال کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، لیکن فرامین نبوی ﷺ میں بعض ایسے اعمال کا تذکرہ ملتا ہے، جن کے اجر و ثواب کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم، سیدنا الانبیاء والمرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ ، إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ : إِمَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ)) ❶

”جب انسان فوت ہو جاتا ہے، تو تین قسم کے اعمال کے علاوہ باقی تمام اعمال (کے ثواب) کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

(1) صدقہ جاریہ۔

(2) (ورشہ) علم، جس سے بعد میں فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔

(3) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔“

ایک اور روایت میں مزید وضاحت ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : إِنْ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ ، عِلْمًا عَمِلَهُ وَنَشَرَهُ ، وَوَلَدًا صَالِحًا

تَرَكَهٗ، أَوْ مُصْحَفًا وَرَثَهُ، أَوْ مَسْجِدًا أَبْنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ
بَنَاهُ، أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ، أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِي صَحَّتِهِ
وَحَيَاتِهِ تَلَحُّقَهُ مِنْ^۱ بَعْدِ مَوْتِهِ. ((❶

”رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ اعمال اور نیکیاں جن کا اجر و ثواب مومن آدمی کو اس کی وفات کے بعد بھی ملتا رہتا ہے، یہ ہیں:

علم، جو اس نے سیکھا اور اس کی نشر و اشاعت میں مصروف رہا، نیک اولاد جسے وہ چھوڑ کر گیا، مصحف (کتاب) جو وراثت میں چھوڑ کر گیا، اس کی تعمیر کی ہوئی مسجد، اس کا تعمیر شدہ مسافر خانہ، ایسی نہر جو اس نے کھدوائی ہو اور وہ صدقہ جو اس نے اپنی زندگی میں حالت صحت میں (مرض الموت سے پہلے) اپنے (کمائے ہوئے حلال) مال سے نکالا ہو اس کا ثواب بھی وفات کے بعد ملتا رہے گا۔“

نوٹ:..... اس حدیث میں ”او مصحفًا ورثہ“..... یا اس کا وراثت میں چھوڑا ہوا ”مصحف“ سے آخر حدیث تک تمام صورتیں گزشتہ حدیث میں مذکور الفاظ: ”وَمِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ“ کی وضاحت کرتے ہیں۔

رب العالمین کا کس قدر عظیم احسان ہے کہ انسان تو اپنی قبر میں جا چکا ہے، لیکن اس کے اعمال نامے میں اجر و ثواب مسلسل لکھا جا رہا ہے، اور مزید احسان یہ کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ

❶ سنن ابن ماجہ، باب ثواب معلم الناس، رقم: ۱۴۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”حسن“ کہا ہے۔

سَنَ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ سَيِّئَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ وَزْرُهَا وَوَزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ. ❶

”جو اسلام میں کسی اچھے کام کی بنیاد رکھے گا تو اس کو اس کا اجر اور اس کے بعد عمل کرنے والے کا ثواب بھی ملے گا، اور ان (عمل کرنے والوں) کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح جو کسی برے کام کی بنیاد رکھے گا۔ اس کو اس کا گناہ اور اس پر عمل کرنے والوں کے برابر گناہ ملتا رہے گا۔ اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔“

اسی طرح ایک اور روایت میں اس کی وضاحت یوں ملتی ہے:

((مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ.)) ❷

”جو بھلائی کی طرف کسی کی رہنمائی کرے گا، اس کو بھی اس (بھلائی کرنے والے) کے برابر ثواب ملے گا۔“

خلاصہ یہ ہے کہ:

(1) انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کے اجر و ثواب کا سلسلہ تین چیزوں کے علاوہ منقطع ہو جاتا ہے۔

(2) اس کی وقف شدہ چیز کو استعمال کرنے والے کے برابر اس کو بھی اجر و ثواب ملتا رہتا ہے۔

(3) اس چیز کو استعمال کرنے والے کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ بلکہ اللہ ربّ

العزت اس کو یہ اجر و ثواب اپنے خاص فضل و رحمت سے عطا کرتا ہے۔

ان تین چیزوں میں سے ایک علم ہے، جس کو انسان سیکھے پھر اسے پھیلانے، توجہ تک

اس کے پھیلانے ہوئے علم سے لوگ مستفید ہوتے رہیں گے، اس کو بھی اس کا برابر ثواب ملتا

❶ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، رقم: ۲۳۵۱۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الإمامۃ، رقم: ۱۸۹۳۔

رہے گا، حالانکہ وہ آدمی خود تو قبر میں پڑا ہے، لیکن اس کے شاگرد، شاگردوں کے شاگرد اس وراثت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اس کی تبلیغ میں مصروف ہیں یا اس پر عمل کر رہے ہیں، ان سب کا اجر اس کو برابر ملتا رہے گا۔

غور کیجیے! کس قدر عظیم عمل ہے کہ آدمی عمل تو ایک ہی کرے، لیکن اس کو اجر سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، بلکہ کروڑوں کا مل رہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بے شمار ہیں، ان میں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کے لوگ قیامت تک جو بھی نیک اعمال کرتے رہیں گے ان سب عمل کرنے والوں کے برابر ثواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ملتا رہے گا، جنہوں نے اس علم کی امانت کو نبی اکرم ﷺ سے حاصل کیا اور پھر اس کو آگے امت کے لوگوں تک پہنچا دیا۔ اشاعت علم دین انتہائی نفع مند سودا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے تو اجر کا حساب ہی نہیں، جنہوں نے دینی مدارس قائم کیے، یا کم از کم ان مدارس میں اپنی جان لگائی، مال خرچ کیا، جن کی نیکیاں انہیں قبر میں قیامت تک برابر ملتی رہیں گی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

علم تزکیہ نفس کا باعث ہے:

علم حاصل کرنے کے بعد اس کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنا نہایت ضروری ہے۔ اگر علم حاصل کر کے اس پر عمل نہ کیا جائے، تو اس علم کا حقیقت میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ ایسا علم انسان کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَى﴾ (۱۳۳) قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى ﴿۱۳۵﴾ وَكَذَلِكَ نُجَزِّي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْغَى ﴿۱۳۶﴾ (طہ: ۱۲۴-۱۲۷)

”اور جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا، وہ دنیا میں تنگ حال رہے گا، اور قیامت کے دن اُسے ہم اندھا اُٹھائیں گے، وہ کہے گا، اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اُٹھایا ہے، دنیا میں تو میں خوب دیکھنے والا تھا؟ اللہ کہے گا، اسی طرح تمہارے پاس میری آیتیں آئی تھیں، تو تُو نے انھیں بھلا دیا تھا، اور اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ اور جو حد سے تجاوز کرتا ہے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتا ہے، اسے ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔“

ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جو شخص اللہ کے دین سے اعراض کرتا ہے، اور قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس عمل بد کا یہ بدلہ دیتا ہے کہ ہر چہار جانب سے اسے تنگی گھیر لیتی ہے، اور روزی کی کشادگی کے باوجود اس کا سکون و اطمینان چھین جاتا ہے، اور مرنے کے بعد اس کی قبر بھی اس پر تنگ ہو جاتی ہے، اور اس کی برزخ کی طویل زندگی شقاوت و بدبختی سے عبارت ہوتی ہے، اور قیامت کے دن اسے اندھا اُٹھایا جائے گا، اور جب اپنی اس حالت پر تعجب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں بنا دیا ہے، میں تو دنیا میں اور قبر سے اُٹھنے تک آنکھوں والا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کہ تم دنیا میں اسی طرح آنکھیں رکھنے کے باوجود دل کے اندھے تھے اور ہماری آیتوں کو ٹھکراتے تھے، اسی لیے آج تم جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے اور کوئی تمہارا پرسانِ حال نہ ہوگا۔“

اللہ رب العالمین نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے اس مقصد کو بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ پیغمبر لوگوں کے تزکیہ نفس کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ چنانچہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝﴾

(الجمعة: ۲)

”وہی ذات ہے، جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کو پاک کرتا، اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، یقیناً اس سے پہلے وہ واضح گمراہی میں تھے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لفظ (وَيُزَكِّيهِمْ) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وَيُزَكِّيهِمْ) أَي يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ، وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ لِيُزَكُّوا أَنْفُسَهُمْ، وَيَتَطَهَّرُوا مِنَ الدَّنَسِ وَالْخُبْثِ الَّذِي كَانُوا مُتَلَسِّسِينَ فِي حَالِ شُرْكِهِمْ وَجَاهِلِيَّتِهِمْ. ①))

”یعنی (وَيُزَكِّيهِمْ) کا معنی یہ ہے کہ وہ انہیں نیکی کا حکم کرتا، اور برائی سے روکتا ہے۔ تاکہ وہ اپنا تزکیہ نفس کرتے ہوئے اس میل کچیل سے پاک ہو جائیں، جس میں زمانہ شرک و جاہلیت میں ملوث تھے۔“ (انتہی)

علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

((وَيُزَكِّيهِمْ) أَي يَحْمِلُهُمْ عَلَى مَا يَصِيرُونَ بِهِ أَزْكَيَاءَ طَاهِرِينَ مِنْ خَبَائِثِ الْعَقَائِدِ وَالْأَعْمَالِ. ②))

”یعنی رسول ان کو (ایسے اعمال کی طرف) راغب کرتا ہے، جن سے وہ تزکیہ نفس کرتے ہوئے بُرے عقائد و اعمال سے پاک ہو جائیں۔“

① تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۲۴.

② تفسیر روح المعانی: ۲۸/ ۹۳، طبع بیروت.

ایسے ہی تزکیہ نفس کی تعلیم دینے کے لیے قرآن حکیم کے دیگر مقامات پر ارشاد ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝﴾ (الاعلیٰ: ۱۴)

”یقیناً کامیاب ہوا وہ شخص، جس نے تزکیہ (نفس) کر لیا۔“

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝﴾ (الشمس: ۹)

”یقیناً کامیاب ہوا وہ شخص، جس نے اس (نفس) کا تزکیہ کر لیا۔“

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور توضیحات مفسرین سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس علم کا کوئی فائدہ نہیں جب اس کے مطابق اپنی زندگی کو نہ ڈھالا جائے، اور اپنے اعمال کی اصلاح نہ کی جائے۔



اہل علم کی فضیلت

عالم کی عابد پر فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے عالم کو انتہائی اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس عابد پر بھی جو اپنے لیل و نہار کو اللہ کی عبادت میں گزار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ٩﴾ (الزمر: ٩)

”کیا وہ شخص جو رب العالمین کی رحمت کی امید کے بل بوتے پر، آخرت سے ڈرتے ہوئے اپنی ساری رات قیام و سجدہ میں گزار دیتا ہے۔ (اے پیغمبر!) آپ فرمادیں: کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔“

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، جن میں سے ایک عالم اور دوسرا عابد تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ .))

”عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ حَتَّى النَّمْلَةِ فِي جُحْرِهَا، وَحَتَّى الْحُوتِ، لِيُصَلُّوا عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرِ))^①

”بے شک اللہ، اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں میں بسنے والی تمام مخلوقات، حتیٰ کہ چوہنیاں اپنی بلوں میں، اور مچھلیاں (پانی میں) لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والوں کے لیے رحمت کی دعائیں کرتی ہیں۔“
علماء دین قابل رشک ہیں:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول رب العالمین ﷺ نے فرمایا:
 ((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا، فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ حِكْمَةً، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيَعْلَمُهَا.))^②

”یعنی دو آدمیوں کے علاوہ اور کسی پر رشک کرنا جائز نہیں۔ (1) پہلا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے کثرت مال سے نواز کر اسے بے تحاشا حق کے کاموں میں خرچ کرنے پر لگا دیا۔ (2) دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (قرآن و سنت کا علم) عطا کیا ہو، جس کے ذریعے وہ فیصلے کرتا ہے، اور پھر دوسروں کو سکھاتا ہے۔“
اہل علم اور سرکشی:

شریعت اسلامیہ نے اہل علم کی بہت ساری صفات کو بیان کیا ہے، وہاں اس بات کو بھی

① سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة، رقم الحديث: ۲۶۸۵۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے۔ مشکوٰۃ، رقم: ۲۱۳۔ التعليق الرغيب: ۶۰/۱۔

② صحيح بخاري، كتاب العلم، رقم: ۷۳۔ صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، رقم: ۱۸۹۶۔

بیان کیا کہ عالم ہونے کے باوجود بھی اگر انسان سرکش ہو جائے، تو یہ اللہ کی آیات کا کفر کرنے کے مترادف ہے، ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بڑا سریع الحساب ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝﴾ (آل عمران: ۱۹)

”بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد اپنی سرکشی اور حسد کی بناء پر ہی آپس میں اختلاف کیا ہے۔ اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا کفر کرے گا، اللہ جلد ہی اس کا حساب لینے والا ہے۔“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((عَنْ عَوْنٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ: مِنْهُمْ مَنْ لَا يَشْبَعَانِ: صَاحِبُ الْعِلْمِ، وَصَاحِبُ الدُّنْيَا، وَلَا يَسْتَوِيَانِ: أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزِدُّ رِضًا لِلرَّحْمَانِ، وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتِمَادَى فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللَّهِ: ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّاظٌ﴾ (العلق: ۶-۷) قَالَ: وَقَالَ الْآخَرُ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸) ۱))

”عون سے روایت ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو حریص ایسے ہیں جو سیراب نہیں ہوتے۔ (۱) صاحب علم۔ (۲) اور صاحب دنیا۔ لیکن یہ دونوں اپنی حرص میں برابر نہیں ہیں۔ صاحب علم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں زیادہ ہوتا ہے، اور صاحب دنیا سرکشی میں زیادہ ہوتا ہے۔ پھر سیدنا عبد اللہ بن

مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی: تحقیق آدمی سرکشی کرتا ہے، اس لیے کہ اپنے آپ کو بے پرواہ خیال کرتا ہے۔ عمن کہتے ہیں کہ آپ نے دوسرے (اہل علم جن کے دل خشیتِ الہی سے خالی ہوتے ہیں) کے بارے میں یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾

”اللہ کے بندوں میں سے اس سے علماء (ہی) ڈرتے ہیں۔“

اہل علم اور نفسانی خواہشات کی پیروی:

اہل علم اور نفسیاتی خواہشات کی اتباع اور پیروی دو متضاد چیزیں ہیں، جس کو اللہ ربّ العزت نے بڑے ہی واضح الفاظ میں قرآن حکیم کے اندر بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَلَئِنَّ اتَّبَعْتُمْ آهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۖ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝﴾

(البقرة: ۱۲۰)

”اے نبی! فرمادیجئے کہ حقیقی ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے، اور اگر آپ نے اپنے پاس علم آ جانے کے باوجود ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔“

قرآن کریم میں شریعت اسلامیہ کے تمام اصول بیان کر دیے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ اگر آپ قرآن جیسے علوم و معارف کا خزانہ ملنے کے بعد بھی یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو اللہ کے سوا آپ کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور اس کی گرفت سے آپ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنْ اتَّبَعْتُمْ آهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۖ مَا لَكُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ۝﴾ (الرعد: ۳۷)

”اگر آپ نے علم آجانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ (کے عذاب) سے نہ آپ کا کوئی حمایتی ملے گا، اور نہ ہی کوئی بچانے والا۔“
حقیقی عالم وہ ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسی مذکورہ بالا آیت کے تحت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

((قَالَ: الْعَالِمُ بِالرَّحْمَانِ مِنْ عِبَادِهِ، مَنْ لَمْ يُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَاحِلًا حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ، وَحَفِظَ وَصِيَّتَهُ، وَآيَقَنَ أَنَّهُ مُلَاقِيهِ وَمُحَاسِبٌ بِعَمَلِهِ.))

”یعنی اللہ کے بندوں میں سے اسے (اللہ کو) صحیح طور پر جاننے والا وہ شخص ہے، جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھے اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھے۔ اور اس کی وصیت کو یاد رکھے، اس کی ملاقات پر یقین رکھتا ہو اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہو۔“

اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((الْعِلْمُ وَالْحُكْمَةُ نُورٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْمَسَائِلِ.)) ❶

”علم اور حکمت کثرت مسائل کے فہم کا نام نہیں، بلکہ یہ تو ایک نور ہے، جس کے ذریعے اللہ رب العزت جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے۔“

مثیل مشہور ہے:

آخرت اندھیرے ہیں اور اس کا چراغ عمل صالح ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَيْسَ الْعِلْمُ عَنْ كَثْرَةِ الْحَدِيثِ وَلَكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ))^①

”علم بہت زیادہ احادیث کو یاد کر لینے کا نام نہیں، بلکہ علم، کثرتِ خشیت الہی کا نام ہے۔“

امام شعبی رحمہ اللہ سے کسی عورت نے سوال کیا کہ مجھے بتائیے، عالم کون ہوتا ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا:

((إِنَّمَا الْعَالِمُ مَنْ خَافَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ .))

”حقیقی عالم تو وہی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہے۔“

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ)) الْخَشْيَةُ بِقَدْرِ مَعْرِفَةِ الْخَشْيِ ، وَالْعَالِمُ يَعْرِفُ اللَّهَ فَيَخَافُهُ وَيَرْجُوهُ ، وَهَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْعَالِمَ أَعْلَى دَرَجَةٍ مِنَ الْعَابِدِ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: ﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ فَيَبِينُ أَنَّ الْكِرَامَةَ بِقَدْرِ التَّقْوَى ، وَالتَّقْوَى بِقَدْرِ الْعِلْمِ ، فَالْكَرَامَةُ بِقَدْرِ الْعِلْمِ لَا بِقَدْرِ الْعَمَلِ نِعَمَ الْعَالِمُ قَدْ حُذِّدَ ذَلِكَ فِي عِلْمِهِ .))^②

”یعنی کسی کے دل میں کسی کا خوف اسی مقدار میں ہوگا جتنا اس کی قدر و منزلت کو جانتا ہوگا۔ لہذا عالم اللہ تعالیٰ کی پہچان کی وجہ سے اس سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ عالم عابد سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

① تفسیر ابن کثیر: ۵۵۴/۳۔ جامع بیان العلم وفضله: ۲۵/۲۔

② تفسیر کبیر، للرازی: ۲۶/۲۱۔

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ ۖ﴾ (الحجرات: ۱۳)

”بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ ہے، جو سب سے زیادہ

تقویٰ اختیار کرنے والا ہے۔“

اس سے واضح ہوتا ہے اللہ کے ہاں عزت و تکریم کی مقدار تقویٰ کے مطابق ہے، اور تقویٰ کی مقدار علم کے مطابق۔

قرب قیامت علم اٹھ جائے گا، ایسے حالات میں اس کی حفاظت کرنے والے علماء ہی ہوں گے:

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَأَيَّامًا يَنْزِلُ فِيهَا الْجَهْلُ وَيَرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ ، وَيَكْثُرُ فِيهَا النُّهْجُ ، وَالنُّهْجُ: الْقَتْلُ .)) ①

”یعنی قیامت سے پہلے کچھ دن ایسے ہوں گے جن میں علم اٹھ جائے گا، اور جہالت عام ہو جائے گی اور کثرت سے (ہرج) ہوگا، یعنی ناحق خون بہایا جائے گا۔“

سیدنا ابراہیم بن عبدالرحمن العذری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُولُهُ ، يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَافِلِينَ ، وَاتِّحَالَ الْمُبْطِلِينَ ، وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ .)) ②

”یعنی اس علم کو ہر جماعت سے آئندہ نیک لوگ لیں گے جو اس (علم) سے حد سے بڑھ جانے والوں کا تغیر دور کریں گے، اور اہل باطل کے جھوٹ کا ابطال

① صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ظہور الفتن، رقم: ۷۰۶۲۔

② سنن الکبریٰ، للبیہقی: ۲۰۹/۱۰۔ مشکوٰۃ، رقم: ۲۴۸۔

کریں گے، اور جاہلوں کی تاویلات سے اس علم کو پاک کریں گے۔“

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَثْبَتَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا.)) ❶

”یقیناً قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا یعنی لوگ دین کا علم بہت کم حاصل کریں گے، بلکہ دنیا میں غرق ہو جائیں گے، اور جہالت عام ہو جائے گی، شراب پی جائے گی، اور سرعام زنا کاری اور بدکاری ہوگی۔“

مزید برآں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝﴾

(البقرة: ۲۸۲)

”اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بھی اللہ علیم و قدیر نے تعلیم و تعلّم کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔

اہل علم کی غیر اہل علم پر فوقیت:

اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو باعتبار فضائل و مناقب ممتاز مقام عطا فرمایا ہے۔ اپنی اسی سنت کو برقرار رکھتے ہوئے رب العالمین کا ارشادِ عالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

❶ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل، ح: ۸۰

مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱﴾

(المجادلہ: ۱۱)

”اے ایمان والو! جب تمہیں مجلسوں میں کشادہ ہو کر بیٹھنے کو کہا جائے تو (دوسروں کے لیے) جگہ کو کشادہ کردو (اس کے بدلے میں) اللہ تمہیں کشادگی دے گا، اور (اسی طرح) جب تمہیں کھڑا ہونے کو کہا جائے تو کھڑے ہو جاؤ، تم میں سے ایمان والوں اور اہل علم کے درجات کو اللہ بلند فرمادے گا۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ مومنوں کو غیر مومنوں پر اہل علم کو غیر اہل علم پر کئی گنا فوقیت دیتا ہے۔ تو جو شخص ایمان اور علم دونوں سے بہرہ ور ہوگا، اسے اللہ تعالیٰ ایمان کی وجہ سے کئی درجات دے گا، اور پھر علم کی وجہ سے بھی کئی درجات کو بلند فرمائے گا۔“ ①

علماء اور توحید:

سیدنا آدم علیہ السلام سے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت، دعوت توحید تھی۔ اب چونکہ آپ ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے، لہذا آپ ﷺ کے بعد اس دعوت کے وارث حقیقی علماء کرام ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ)) ②

”کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔“

لہذا اس دعوت کو اس کے حقیقی رنگ میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا علماء کرام کی اہم ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے ”الہ“ ہونے کی خود گواہی دی، اور ساتھ اس گواہی میں فرشتوں اور علماء کرام کو بھی شامل کر لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① فتح القدیر: ۲ / ۷۹۹۔

② سنن ابو داؤد، کتاب العلم، رقم: ۳۶۴۱۔ سنن ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقه، رقم: ۲۶۸۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ الْهَلِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَانِبًا بِالْقِسْطِ ۚ
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (آل عمران: ۱۸)

”اللہ، اس کے فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس غالب اور حکمت والے کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

علماء کرام کی قدر و منزلت کا اندازہ اس آیت کریمہ سے بطریق احسن لگایا جاسکتا ہے کہ اس گواہی میں اللہ رب العزت نے عابدوں، صوفیوں اور دنیا داروں کو شامل نہیں کیا، بلکہ صرف اور صرف علماء کرام کو شامل کیا ہے۔

عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اہل علم کی گواہی اس لیے معتبر ہے کہ تمام دینی امور میں انہی سے رجوع کیا جاتا ہے۔ خصوصاً سب سے عظیم، سب سے زیادہ جلالت و شرف والے مسئلے یعنی توحید کے مسئلہ میں۔ علماء کا اوّل سے آخر تک اس پر اتفاق ہے، انھوں نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی ہے، اور توحید تک پہنچنے کے راستے بتائے ہیں۔ لہذا مخلوق پر واجب ہے کہ اتنی عظیم گواہیوں والے حکم کو تسلیم کریں اور اس پر عمل کریں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سب سے زیادہ شرف والا کام توحید کو جاننا ہے۔ لہذا اس کی گواہی اللہ نے خود دی ہے۔ اور اپنی مخلوق میں سے عظیم ترین افراد کو اس کا گواہ بنایا ہے۔ شہادت (گواہی) علم و یقین کی بنیاد ہی پر دی جاسکتی ہے، جو آنکھ سے مشاہدہ کے برابر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص توحید کے معاملہ میں اس مقام تک نہیں پہنچتا، وہ اہل علم میں شامل نہیں۔“ (تفسیر السعدی: ۳/۹۱)

ایک اعتراض:

یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کیوں نہیں کیا

گیا؟ حالانکہ وہ تو اس کے اولین حق دار تھے۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ اس علم کو پھیلانے کا اصل منبع اور ذریعہ تو انبیاء کرام ﷺ ہی ہیں، لہذا جب شاگرد کا تذکرہ کر دیا جائے تو اس میں استاد کا نام خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔ لہذا اس آیت کریمہ میں ﴿أُولُوا الْعِلْمِ﴾ سے سب سے پہلی مراد انبیاء کرام ﷺ ہیں، اس کے بعد علماء کرام ہیں۔

یہ ایک جملہ معترضہ تھا جسے افادہ کی خاطر ذکر کر دیا گیا ہے۔ ہم دوبارہ اپنے مضمون کی طرف آتے ہیں، چنانچہ ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثُوكُمْ﴾ (محمد: ۱۹)

” (اے نبی!) آپ جان لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں، اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے حق میں بھی (بخشش مانگا کریں) اللہ تم لوگوں کی آمد و رفت اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔“

اہل علم کا احترام ضروری ہے:

اللہ عزوجل کی توحید کی شہادت اور اس بات کی شہادت اور گواہی کہ عدل و انصاف اور اعتدال اس کی صفت ہے۔ ذیل کی آیت کریمہ میں اہل علم کی بھی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ رب العزت نے توحید کی شہادت کی خاطر انھیں خاص کر دیا، ان کی گواہی کو اپنی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ جوڑ دیا، اور اسے توحید کی بہت بڑی دلیل قرار دیا، اور مخلوق کے لیے ان کی شہادت کو قبول کرنا لازم قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ (آل عمران: ۱۸)

”اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور فرشتے اور اہل علم گواہی دیتے ہیں، وہ (اپنے احکام میں) عدل پر قائم ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو عزت والا اور حکمت والا ہے۔“

پس علم کی بدولت علماء کا احترام بھی ضروری ہے، چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللَّهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ)) ①

”بے شک یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حصہ ہے کہ آدمی سفید بالوں والے مسلمان کا احترام کرے، اور قرآن میں غلو نہ کرنے والے، اس سے بے پروائی نہ کرنے والے حافظ قرآن کی عزت کرے، اور عادل بادشاہ کی تکریم کرے۔“

اہل علم باعث برکت ہیں:

اہل علم مرتبہ کے اعتبار سے بڑے ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے اس جہان رنگ و بو میں برکت ہے، ان کا احترام کرنا انتہائی ضروری ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الْبِرْكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ .)) ②

”برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے۔“

اور دنیا و مافیہا سب ملعون ہیں، سوائے علم اور ذکر الہی کے، تو یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ کوئی شخص علم اور اہل علم کا احترام کرے۔ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

① سنن ابی داؤد، باب فی تنزیل الناس منازلہم، رقم: ۴۸۴۳۔ صحیح الجامع الصغیر، رقم: ۲۱۹۵۔

② مستدرک حاکم، رقم: ۲۱۸۔ سلسلۃ الأحادیث الصحیحة، رقم: ۱۷۷۸۔

”دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی سب ملعون ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے متعلقات کے، اور طالب علم اور اہل علم کے۔“^①

علماء اور نصیحت:

خود اچھے کام کرنا، اور دوسروں کو ان کی ترغیب دینا علماء کا فریضہ منہی ہے۔ دوسروں کو اچھے کام کی ترغیب دینے کو نصیحت کہتے ہیں۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿أَبْلِغْكُمْ رِسَالَتِي وَإَنْصَحْ لَكُمْ وَأَعْلَمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾^②

(الاعراف: ۶۲)

”میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“

اسی طرح سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی:

﴿أَبْلِغْكُمْ رِسَالَتِي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ﴾^③ (الاعراف: ۶۸)

”میں تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔“

اسی طرح استفسار پر کسی کو اچھا مشورہ دینا بھی نصیحت (خیر خواہی) ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ذمے حقوق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ.....وَإِذَا سْتَصَحَّكَ فَانْصَحْهُ))^④

”مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں.....جن میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب

وہ مشورہ طلب کرے، تو خیر خواہی کا مشورہ دے۔“

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے پورے کے پورے دین کو تمام انسانیت کے

① سنن ابن ماجہ، باب مثل الدنيا، رقم: ۴۱۱۲۔ سلسلة الأحادیث الصحيحة، رقم: ۲۷۹۷۔

② صحيح مسلم، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، رقم: ۵۶۵۱۔

لیے نصیحت قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الَّذِينَ النَّصِيحَةُ: قَالُوا لِمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لِلَّهِ

وَلِرَسُولِهِ وَلِأَيِّمَةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ.))^①

”دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا) اللہ کے

رسول! دین کن لوگوں کے لیے خیر خواہی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ

کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے اور عوام

الناس کے لیے۔“

رسول اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی کسی نو مسلم آنے والے سے بیعت

کرتے تو جہاں اس کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتے، وہاں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ

مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہانہ رویہ رکھنا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں سیدنا جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے، فرماتے ہیں:

((بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ

الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.))^②

”کہ میں نے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر ایک مسلمان سے خیر خواہی

کرنے کی بنیاد پر نبی ﷺ سے بیعت کی۔“

حدیث ”الَّذِينَ النَّصِيحَةُ“ کی وضاحت:

اس حدیث کے متعلق امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے بہت سارے اقوال کو جمع کیا ہے۔

لیکن یہاں پر اختصار کے پیش نظر ہم صرف ایک قول کو ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

① صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الذین النصیحة، رقم: ۹۵۵۔

② صحیح البخاری، کتاب الایمان، رقم: ۵۷۔ صحیح مسلم، باب بیان ان الذین النصیحة،

رقم: ۱۹۹۔

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((النَّصِيحَةُ كَلِمَةٌ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جُمْلَةٍ هِيَ إِرَادَةُ الْخَيْرِ لِلْمَنْصُوحِ لَهُ، قَالَ: وَأَصْلُ النَّصِيحِ فِي اللُّغَةِ . الْخُلُوصُ يُقَالُ: نَصَحْتُ الْعَسَلَ إِذَا خَلَصْتُهُ مِنَ الشَّمْعِ .))^①

”یعنی نصیحت ایک ایسا کلمہ ہے جو ایسے جملہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس سے منصوح لہ (جس کو نصیحت کی جا رہی ہے) کے لیے خیر اور بھلائی مراد ہو۔ اور لغت میں نصیحت کا معنی ہے: خلوص۔ جیسا کہ عربی میں ”نَصَحْتُ الْعَسَلَ“ (میں نے شہد کو جدا کر لیا) اس وقت کہا جاتا ہے، جب اس کو موم اور چھتے سے بالکل جدا کر لیا جائے۔“

آگے لکھتے ہیں:

1- ((فَمَعْنَى: النَّصِيحَةُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ: صِحَّةُ الْإِعْتِقَادِ فِي وَحْدَانِيَّتِهِ وَإِخْلَاصُ النِّيَّةِ فِي عِبَادَتِهِ .))

”النصیحة للہ“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی توحید کے بارے میں عقیدہ کا درست ہونا، اور اخلاص نیت سے اس کی عبادت کرنا۔

2- ((وَالنَّصِيحَةُ لِكِتَابِهِ: الْإِيمَانُ بِهِ وَالْعَمَلُ بِمَا فِيهِ .))

”النصیحة لکتابہ“ کا معنی یہ ہے کہ اس (کے منزل من اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا، اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا۔

3- ((وَالنَّصِيحَةُ لِرَسُولِهِ: التَّصَدِّيقُ بِنُبُوَّتِهِ وَبَذْلُ الطَّاعَةِ لَهُ فِيمَا أَمَرَ بِهِ وَنَهَى عَنْهُ .))

”النصیحة لرسوله“ کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی (صدق دل

① جامع العلوم والحکم، ص: ۹۸، طبع دار الحديث، القاهرة.

سے) تصدیق کرنا، اور آپ کے اوامر و نواہی کو تسلیم کرنا۔

4- ((وَالنَّصِيحَةُ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ: إِرْشَادُهُمْ إِلَى مَصَالِحِهِمْ)) ①

”النصيحة لعامة المسلمين“ کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اصلاح کی طرف رہنمائی کرنا۔“

نصیحت کیسے کی جائے؟

ہم نصیحت کی اہمیت اور اس کا معنی و مفہوم گزشتہ سطور میں قدرے تفصیل سے بیان کر آئے ہیں، اب ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کسی کو نصیحت کرنے کا انداز کیسا ہونا چاہیے؟ تو اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ ہر اس مناسب انداز سے نصیحت کی جاسکتی ہے، جو منصوح لہ (جس کو نصیحت کی جارہی ہے) کے لیے عار کا باعث نہ ہو۔

افادہ کے لیے ذیل کی سطور میں سنت نبوی ﷺ سے ثابت شدہ کچھ طریقے تحریر کیے جارہے ہیں:

1- پہلا طریقہ :..... سب سے پہلا طریقہ جس کی مثال احادیث نبویہ میں کثرت سے موجود ہے، وہ یہ کہ منصوح لہ خود نصیحت کا جذبہ اور جستجو لے کر آئے، اور اپنی زبان سے یہ بات کہے کہ مجھے کوئی نصیحت کر دیجیے۔ نصیحت کے اس طریقہ میں بہت ہی وسعت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں سائل خود نصیحت کا جذبہ اور جستجو لے کر آتا ہے اور ایسے آدمی کو ہر بات وضاحت سے سمجھائی جاسکتی ہے۔

چنانچہ جلیل القدر صحابی رسول، سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا؛

((أَوْصِنِي، قَالَ: أَوْصِيكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ، وَعَلَيْكَ

بِالْجِهَادِ فَإِنَّهُ رَهْبَانِيَّةُ الْإِسْلَامِ. ❶

”کہ اللہ کے رسول! مجھے کوئی نصیحت کیجیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ تقویٰ ہی ہر چیز کی بنیاد ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، کیونکہ یہ اسلام کی رہبانیت ہے۔“

2۔ دوسرا طریقہ:..... یہ ہے کہ کسی میں کوئی کوتاہی نظر آئے تو اس کوتاہی کے متعلق متنبہ کرنے کے ساتھ ساتھ قابل اصلاح دوسرے امور کو بھی ذکر کر دیا جائے۔

جیسا کہ سیدنا عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آپ کے ساتھ بیٹھا کھانا کھاتے ہوئے پوری پلیٹ میں اپنے ہاتھ کو گھما رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا غُلَامُ! سَمِعَ اللَّهُ وَكُلُّ بِيَمِينِكَ وَكُلُّ بِمِثْلِكَ)) ❷

”اے بچے! اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔“

غور کیجیے! اس حدیث میں آپ ﷺ نے کیسے حکمت بھرے انداز سے اس بچے صحابی کو کھانے کے مکمل آداب بھی بتادیئے، اور اس کی غلطی سے آگاہ کر دیا کہ اسے احساس تک نہیں ہوا۔

3۔ تیسرا طریقہ:..... نصیحت کا تیسرا طریقہ جو آپ ﷺ کی سنت مطہرہ سے ثابت ہے، یہ ہے کہ کسی ایک کی غلطی کو دیکھ کر تمام لوگوں کو اجتماعی طور پر اس غلطی سے رکنے کی نصیحت کر دی جائے۔

جیسا کہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جب انھوں نے بریرہ کو جس نے اپنے آقا سے مکاتبت کر رکھی تھی۔ آزاد کروانے کا ارادہ کیا، لیکن ولاء (آزاد کردہ غلام کا سامان) کی

❶ مسند احمد، رقم: ۱۱۳۴۹۔ المعجم الصغير، للطبرانی، ص: ۱۹۷۔ سلسلة الاحادیث

الصحيحة، رقم: ۵۵۵۔

❷ صحيح بخاري، كتاب الأطعمة، رقم: ۵۳۷۶۔

شرط لگا دی کہ وہ مجھے ملے گا، لیکن بریرہ کے مالک نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب رسول اکرم ﷺ کو پتہ چلا، تو آپ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے، اور حمد و ثناء کے بعد یوں گویا ہوئے۔

((أَمَّا بَعْدُ! فَمَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةً شَرْطٍ كِتَابُ اللَّهِ أَحَقُّ وَشَرُّطُ اللَّهِ أَوْثَقُ إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ.)) ❶

”اما بعد! ان لوگوں کی کیا حالت ہے، وہ (اپنے معاملات میں) ایسی شرائط عائد کرتے ہیں، جن کا کتاب اللہ میں سرے سے کوئی ذکر ہی موجود نہیں ہے (یاد رکھو!) ہر وہ شرط جس کا کتاب اللہ میں ذکر نہیں ہے۔ اگرچہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں باطل ہیں۔ اللہ کی کتاب برحق ہے، اور اللہ کی شرائط سب سے مضبوط ہیں بے شک ولاء اسی کا حق ہے، جو (غلام کو) آزاد کرے۔“

اس کے علاوہ اور بھی احادیث نبویہ سے ایسے انداز ملتے ہیں۔ جن کے ذریعے دوسروں کو نصیحت کی جاسکتی ہے۔

بہر حال کسی کو نصیحت کرنے کے لیے ہر اس طریقے کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے کہ جس میں ”منصوح لہ“ کی عزت بھی مجروح نہ ہو اور اسے نصیحت بھی کر دی جائے۔



اہل علم، محدثین، ان کی علمی رحلات اور زہد و تقویٰ

امام مالک رحمہ اللہ:

امام مالک رحمہ اللہ مدینۃ الرسول ﷺ میں احتراماً کبھی سوار نہیں ہوئے۔^①
 ایک شخص نے پاس آ کر کہا کہ میں چھ ماہ کا سفر طے کر کے آپ کے پاس پہنچا ہوں۔
 صرف اس لیے کہ ہماری قوم نے ایک مسئلہ شرعیہ پوچھنے کے لیے مجھے آپ کی طرف نمائندہ بنا
 کر بھیجا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ مسئلہ کیا ہے؟ جب مسئلہ سامنے رکھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ
 مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ وہ آدمی حیران ہو کر اپنے پاؤں کو مارنے لگا (یعنی اتنا بڑا عالم
 اور مسئلہ معلوم نہیں!) کہنے لگا: جناب میں صرف ایک مسئلہ کی خاطر اتنی دُور دراز سے سفر طے
 کر کے آیا ہوں۔ اب میں ان کو جا کر کیا جواب دوں اور کیا منہ دکھاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ
 ان سے جا کر صاف کہنا کہ انس کا بیٹا مالک کہتا ہے کہ اس مسئلہ کا جواب مجھے معلوم نہیں۔“^②
 اور آپ نے کبھی بھی غیر عالم کی مجلس اختیار نہیں کی۔^③

آپ حدیث نبوی کا درس دے رہے تھے کہ بچھوئے سترہ مرتبہ کاٹا، مگر پہلے تک نہیں حتی
 کہ درس ختم ہوا۔ آپ سے یہ ذکر ہوا تو محبت حدیث سے آنکھیں پرہم ہو گئیں۔^④

امام شافعی رحمہ اللہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ اس اُمت کے لیے اللہ کی رحمت تھے۔^⑤

② تہذیب الاسماء واللغات: ۷۸/۲.

① مقدمة تحفة الأحوذی، ص: ۸۷.

④ زرقانی شرح المؤطا: ۳/۲.

③ اسعاف المبط، للسيوطی، ص: ۴.

⑤ الجرح والتعديل، لابن ابی حاتم: ۲۰۳/۳، قسم: ۲.

آپ جامع خوف و رجاء تھے۔ ثلث اللیل عبادت میں گزارتے تھے۔ آیت رحمت پر ٹھہر کر اپنے اور اہل ایمان کے لیے دعا کرتے، اور آیت عذاب پر پناہ طلب کرتے تھے۔^①

تو رُوح کا عالم یہ تھا کہ آپ سے کتنا ہی علم لیا جائے، لیکن یہ پسند نہ تھا کہ آپ کی طرف منسوب کیا جائے۔^②

آپ فرماتے تھے کہ مجھ پر ہیبت اسی سے ہوئی ہے جس میں قبول حق کا مادہ ہو، اور میری نظر سے وہی گرا جس نے حق کے آگے تکبر کیا، اور میں ہر اس شخص کا مخالف ہوں، جو سنت رسول ﷺ کا مخالف ہو۔^③

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ:

مشہور محدثین میں سے ہیں۔ بقول ابوزرعہ، امام احمد کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔^④

جامع اخلاق و آداب ہونے کے ساتھ ساتھ، مخالفین اور ایذا دینے والوں کو معاف کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ غور فرمائیں کہ خلیفہ معظم جس نے آپ کو کافی تکلیفیں دیں، لیکن آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا تھا۔ ایک شخص نے آپ سے سخت کلامی کی، پھر پشیمان ہو کر معافی مانگنے آیا، تو آپ نے فرمایا: ”میں نے تو اسی وقت معاف کر دیا تھا۔“

اتباع سنت کا یہ عالم تھا کہ سنن کو زوائد میں تقسیم کیے بغیر ہر فعل نبوی کو سنت جان کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ آپ کو حدیث ملی کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک جاریہ ”ریحانہ“ نامی تھی، تو آپ نے بھی اپنی بیوی سے اجازت لے کر ایک جاریہ خریدی اور اس کا نام ”ریحانہ“ رکھا۔ ایسے ہی ایک حدیث نظر سے گزری کہ نبی کریم ﷺ نے سنگی لگوائی اور لگانے والے ابو طیبہ کو آپ نے ایک دینار معاوضہ دیا۔ تو امام صاحب نے بھی ایسا ہی کیا، اور سنگی لگانے

① تاریخ بغداد: ۶۳/۲.

② شذرات الذهب، لابن عماد الحنبلی: ۱۰/۲.

③ توالی التأسیس، لابن حجر، ص: ۷۲، ۷۳.

④ تہذیب التہذیب: ۷۴/۱.

والے کو ایک دینار معاوضہ دیا۔ رات کا اکثر حصہ جاگتے اور اللہ کی عبادت آپ کی عادت تھی اور دیر تک کھڑے رہنا قابلِ تعجب تھا۔ دنیا کا خیال نہیں کیا۔ ستر برس حالت فقر و فاقہ میں گزار دیئے۔ آپ فرماتے تھے کہ خوفِ الہی نے میری تمام تر خواہشات ختم کر ڈالی ہیں، حتیٰ کہ کھانے پینے کی خواہش بھی نہیں ہوتی۔^①

امام بخاری رحمہ اللہ:

امام بخاری رحمہ اللہ طلبِ حدیث کی خاطر ایک دفعہ بصرہ پہنچے۔ زادِ راہ ختم ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے جسم کے کپڑے بھی بیچ دیے اور سوال نہ کیا۔ بلکہ تنہا کپڑوں کے بغیر شہر سے باہر ایک مکان میں بیٹھ گئے۔ چند دن غیر حاضر رہنے کی وجہ سے ساتھیوں نے تلاش کیا اور وہاں جا کر پایا۔ ان کا فرمان ہے کہ میں نے جب دنیاوی گفتگو کی تو بھی حمد و ثناء سے شروع کی۔ اور فرماتے کہ میں ایک دفعہ اپنے شیخ آدم بن ابی ایاس کے پاس جا رہا تھا کہ زادِ راہ ختم ہو گیا۔ یہاں تک کہ کئی دن تک مجھے گھاس اور پتوں پر گزارا کرنا پڑا۔ تیسرے دن کوئی ناواقف شخص مجھے دیناروں کی تھیلی دے گیا، کہ یہ اپنے مصرف میں لائیئے۔^②

غیبت سے اتنا اجتناب کرتے تھے کہ خود ان کا کہنا ہے کہ ان شاء اللہ روزِ قیامت اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہیں ہوگا۔^③

امام ترمذی رحمہ اللہ:

آپ اپنے شیخ امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کی یاد میں رو رو کر نابینا ہو گئے تھے۔^④

امام ترمذی ایک استاد کے پاس گئے اور قاعدے کے مطابق امام صاحب وہ تحریر شدہ

① مناقب الإمام أحمد، لابن الجوزی.

② طبقات الشافعية الكبرى، للسبكي ۵/۲، ۱۱، ۱۰.

③ تاریخ بغداد: ۱۳/۲.

④ تهذيب التهذيب، لابن حجر: ۳۸۹/۹.

احادیث کے اوراق لانا بھول گئے۔ استاد کو جب ان کے پاس تحریر شدہ اوراق نہ ہونے کا علم ہوا تو وہ سخت برہم ہوئے کہ تو نے میری محنت برباد کر دی یعنی احادیث پڑھانا رائیگاں کر دیا۔ امام ترمذی نے عرض کیا کہ آپ ناراض نہ ہوں وہ احادیث مجھے یاد ہو گئی ہیں۔ پھر احادیث من وعن زبانی سنادیں۔ استاد نے فرمایا شاید وہ احادیث تمہیں پہلے سے ہی یاد ہوں، جس پر امام ترمذی نے عرض کیا کہ وہ احادیث میں نے آپ سے سن کر بعد میں یاد کیں۔ آپ اگر چاہیں تو امتحان کے طور پر دوسری احادیث سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے دوسری احادیث سنائیں، وہ بھی آپ نے من وعن استاد کو بہ وقت سنادیں۔^①

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ:

آپ کی عبادت حیران کن تھی۔ کھڑے ہو جاتے تو گویا کہ لکڑی کا ستون ہے (دورانِ عبادت) بھڑکاٹنے سے خون بہتا، یا کبھی آکر کان پر پیٹھتی اور خون بہنے لگتا، مگر اُراتے تک نہیں تھے۔^②

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ:

آپ کی طرف کسی وزیر نے زر کثیر اور بہت زیادہ مال بطور تحفہ کے بھیجا اور عہدہ قضا کے لیے پیشکش کی، لیکن آپ نے رقم کو بجمع تمہیدہ ٹھکرا دیا۔^③

ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر پہ زمانہ ہے

ساتھیوں نے بہت سمجھایا کہ اس طرح اقتدار ملنے پر آپ سنت کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں۔ آپ نے سختی سے ڈانٹ کر کہا، میں تو یہ حسن ظن رکھتا تھا کہ آپ مجھے عہدہ قبول کرنے پر ملامت کریں گے، لیکن آپ لوگ مجھے عہدہ لینے کے لیے کہہ رہے ہیں۔^④

① تہذیب التہذیب، لابن حجر: ۳۸۸/۹.

② طبقات، للسیکی: ۲۲/۲.

③ طبقات، للسیکی: ۱۳۸/۳.

امام ہقی بن مخلد رحمہ اللہ:

امام ہقی بن مخلد علم حدیث سیکھنے کے لیے قرطبہ (اندلس) سے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں اس وقت بغداد پہنچے جب آپ گھر میں نظر بند تھے، اور کسی سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ امام صاحب کو اپنا حال پیش کیا لیکن امام موصوف نے معذرت کی، جس پر امام ہقی بن مخلد نے کہا کہ میں روزانہ آپ کے دروازے پر سائل بن کر خیرات کے بہانے حاضر ہوا کروں گا اور آپ خیرات دینے کے بہانے مجھے دو یا تین احادیث بتا دیجئے گا۔ اسی طرح جب تک امام موصوف کو آزادی نہ ملی، تب تک ہقی بن مخلد سائل بن کر ان کے دروازے پر صدا لگا کر حدیث کا سبق لیتے رہے۔^①

الغرض ان لوگوں کا اوڑھنا بچھونا حدیث رسول کی خاطر تھا، اور ہر ممتاز کام میں اسی جماعت کو اہمیت حاصل ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان کی کاوشوں کا نتیجہ اور ثمر آج تک ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ایسے اشخاص کو رسول اللہ ﷺ نے دعا دی ہے کہ:

”نَضَرَ اللَّهُ إِمْرَأَةً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَغَهُ كَمَا سَمِعَ.“^②

”اللہ تعالیٰ تروتازہ اور خوش و خرم رکھے اس شخص کو کہ جس نے میری حدیث سنی، اور اس کو محفوظ کر کے دوسروں تک امانت داری سے پہنچایا۔“

بقول شیخ العرب والجمہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ ”موجودہ دور میں ہر طرف سے دین کو مشکل بنا کر قرآن و حدیث پر عمل کی راہیں مسدود کی جا رہی ہیں۔ ایسے وقت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم استقامت کو اپنا شعار بنائیں اور سلف کا نمونہ بن کر میدان میں آئیں۔ آپس کے اختلافات کو فراموش کر کے اور متحد ہو کر حدیث کی خدمت کو اپنے مفادات پر مقدم جانیں۔“

① مختصر طبقات الحنابلہ، ص: ۸۰-۸۱۔

② سنن ترمذی، کتاب العلم، رقم: ۲۶۵۷۔ سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۳۲۲۔ مسند أحمد: ۱/۳۷۷۔

البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

اختلافات کا ہی نتیجہ ہے کہ اپنے مذہب (مسلک) کو بچانے کی خاطر قرآن و حدیث میں بے جاتا ویلات کا دروازہ کھل چکا ہے۔ بلکہ ان میں تحریف اور تغیر و تبدیل کی کوشش کی جاتی ہے۔

بزرگان دین نے تعویذات کی مسند سنبھال لی ہے۔ عوام بیچارے نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے، اور مرید بیچارے پیروں کے رحم و کرم پر ہیں اور باقی عوام کے سیاہ و سفید کے مالک علماء سوء رائے و قیاس کے پجاری ہو گئے۔ جس کی وجہ سے انکار حدیث، لادینیت جیسے فتنوں کو موقع مل گیا اور دین میں کئی بدعات جاری ہوئیں۔ اسی طرح بے عملی ان سب کی جڑ ہے، جس کا مقابلہ صرف قرآن و حدیث کے سایہ کے تحت جمع ہونے سے ہی کیا جاسکتا ہے۔“^①



دوسرا حصہ

باب نمبر: 1

تقویٰ کی لغوی و شرعی تعریف

1۔ ”تقویٰ“ کی لغوی تعریف:

☆ علامہ ابوالحسن علی بن اسماعیل انجوی المعروف بابن سیدہ (المتوفی ۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:

((أَصْلُ الْإِتِّقَاءِ الْحِزْبُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ ، يُقَالُ: إِتَّقَاهُ بِالتُّرَاسِ أَيُ

حَبْلَهُ حَاجِزًا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ وَاتَّقَاهُ بِحَقِّهِ أَيضًا كَذَلِكَ. ((❶

”’اتقاء‘ اصل میں دو چیزوں کے درمیان پردہ (فاصلہ) کرنے کو کہتے ہیں

(تاکہ وہ آپس میں مل نہ سکیں) کہا جاتا ہے کہ اس نے ڈھال کے ساتھ اپنا بیجاؤ

کیا یعنی اس نے ڈھال کو اپنے درمیان اور حملہ آور کے درمیان کر کے اس نے

اپنا حق بچا لیا۔ یعنی اس کے درمیان اور اس کے چھینے کے درمیان اس نے آڑ

پیدا کردی۔“

☆ معروف مفسر اور لغوی امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۲ھ) رقم طراز ہیں:

((الْوَقَايَةُ حِفْظُ الشَّيْءِ مِمَّا يُؤْذِيهِ وَيَفْسِرُهُ، يُقَالُ: وَقَيْتُ الشَّيْءَ

وَقَايَةً وَوَقَاءً، قَالَ: (فَوْقَهُمْ، وَوَقَاهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ، وَمَاهُمْ

مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ، مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ، قُوا أَنْفُسَكُمْ

وَأَهْلِيكُمْ نَارًا، وَالتَّقْوَىٰ حَبْلُ النَّفْسِ فِي وَقَايَةِ مِمَّا يَخَافُ ۖ ۝٢

① المخصص، لابن سیده: ۹۳/۱۳.

2 مفردات القرآن، للاصفهاني، ص: ٥٥٢، باب الواو مع القاف.

”مضر اور نقصان دہ چیز سے محفوظ ہونے کو (وقایہ کہتے ہیں)..... اسی طرح

خوف زدہ چیز سے اپنے آپ کو حفاظت میں رکھنے کا نام تقویٰ ہے۔“

☆ اور اسی طرح علامہ ابن سیدہ رحمہ اللہ، علامہ اصمعی رحمہ اللہ سے متقی کی تعریف ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں:

((رَجُلٌ مَخْمُومٌ الْقَلْبِ اَيَّ تَقَى مِنَ الْعَشِّ وَالِدَّغْلِ)) ①

”بغض و عداوت اور کینہ پروری سے صاف دل والے آدمی کو ”متقی“ کہتے ہیں۔“

☆ امام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۶ھ) متقی کی لغوی تعریف یوں فرماتے ہیں:

((اَلْمَتَّقِي فِي اللُّغَةِ اِسْمٌ فَاعِلٌ مِنْ قَوْلِهِمْ وَقَاهُ فَاتَّقَى وَالْوَقَايَةُ

فَرَطُ الصِّيَانَةِ .)) ②

”لغت میں متقی باب افتاء (افتعال) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو انتہائی حفاظت

کرنے والے پر بولا جاتا ہے۔“

☆ مندرجہ بالا توضیحات پر غور کریں تو تقویٰ کی یہ جامع تعریف سامنے آتی ہے:

((تَقَى الْقَلْبِ مِنَ الْعَشِّ ، وَالِدَّغْلِ ، وَجَاعِلُ النَّفْسِ فِي وَقَايَةٍ

مِمَّا يَخَافُ فَرَطًا .))

”حسد و کینہ سے صاف دل والا، خوف زدہ چیزوں سے انتہائی احتیاط سے اپنے

آپ کو بچانے والا آدمی ”متقی“ کہلاتا ہے۔“

2۔ تقویٰ کی شرعی تعریف:

☆ علامہ فخر الدین الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۶ھ) تقویٰ کی شرعی تعریف نقل کرتے ہوئے

رقم طراز ہیں:

① المخصص، لابن سیدہ: ۹۴/۱۳.

② تفسیر الکبیر، للرازی: ۲۰/۲.

((قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: اتَّقُوا تَرْكُ الْأَضْرَارِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ، وَتَرْكُ الْإِعْتِرَارِ بِالطَّاعَةِ. وَقَالَ الْحَسَنُ: اتَّقُوا أَنْ لَا تَخْتَارَ عَلَى اللَّهِ سِوَى اللَّهِ، وَتَعْلَمَ أَنَّ الْأُمُورَ كُلَّهَا بِيَدِ اللَّهِ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ آدَهَمَ: اتَّقُوا أَنْ لَا يَجِدُ الْخَلْقُ فِي لِسَانِكَ عَيْبًا، وَلَا الْمَلَأَئِكَةُ فِي أَفْعَالِكَ عَيْبًا، وَلَا مَلِكُ الْعَرْشِ فِي سِرِّكَ عَيْبًا. وَقَالَ الْوَاقِدِيُّ: اتَّقُوا أَنْ تُزَيِّنَ سِرَّكَ لِلْحَقِّ كَمَا زَيَّنْتَ ظَاهِرَكَ لِلْخَلْقِ.))

وَيُقَالُ أَنْ لَا يَدَاكَ مَوْلَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ. وَيُقَالُ: اَلْمُتَّقِي مَنْ سَلَكَ سَبِيلَ الْمُصْطَفَى وَنَبَذَ الدُّنْيَا وَرَاءَ الْقِفَا، وَكَلَّفَ نَفْسَهُ الْإِخْلَاصَ وَالْوَفَا، وَاجْتَنَبَ الْحَرَامَ وَالْجَفَا))

”(1)..... سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اطاعت گزاری کرتے ہوئے دھوکہ بازی کو ترک کرنے اور گناہوں پر اصرار کرنے سے باز آنے کا نام تقویٰ ہے۔

(2)..... سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے علاوہ کسی کو فضیلت نہ دی جائے، اور یقین رکھا جائے کہ تمام کے تمام معاملات صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(3)..... ابراہیم بن آدم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اس چیز کا نام ہے کہ لوگ تیری زبان پر کوئی عیب نہ پائیں، فرشتے تیرے ظاہر (اعمال ظاہر) میں عیب نہ پائیں اور عرش عظیم کا مالک (اللہ تعالیٰ) تیرے باطن میں کوئی عیب نہ دیکھے۔

(4)..... علامہ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تقویٰ یہ ہے کہ اپنے باطن کو حق تعالیٰ

کے سامنے اس طرح خوبصورت کر کے پیش کرو جس طرح اپنے ظاہر کو مخلوق کے سامنے مزین کر کے پیش کرتے ہو۔

(5)..... ایک قول یہ بھی ہے، تقویٰ یہ ہے کہ تیرا مالک تجھے ان چیزوں میں (ملوث) نہ دیکھے جن سے اس نے تجھے منع کیا ہے۔

(6)..... اور متقی کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے راستے پر چلے، اور دنیا کو اپنی پشت پیچھے ڈال دے، اور اپنے آپ کو اخلاص و وفاداری پر آمادہ و تیار کرے، اور حرام کاری و بد اخلاقی سے اجتناب کرے۔

☆ امام ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ اپنی معروف تفسیر ”المحرر الوجیز المعروف بتفسیر ابن عطیہ“ میں (متقین) کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((..... (لِلْمُتَّقِينَ) وَالْمَعْنَى لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ اللَّهَ تَعَالَى بِامْتِثَالِ أَوْامِرِهِ، وَاجْتِنَابِ مَعَاصِيهِ كَانَ ذَلِكَ وَقَايَةً بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ عَذَابِ اللَّهِ.)) ①

”متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو احکام الہی کو بجالاتے، اور اس کی نافرمانیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، تو یہ (تقویٰ) ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے درمیان ڈھال بن جائے گا۔“

☆ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تقویٰ کی شرعی تعریف یوں فرماتے ہیں:

((الْتَقْوَى فِي تَعَارُفِ الشَّرْعِ حِفْظُ النَّفْسِ عَمَّا يُؤْثِمُ وَذَلِكَ بِتَرْكِ الْمَحْظُورِ وَبِتَمُّ ذَلِكَ بِتَرْكِ بَعْضِ الْمُبَاحَاتِ لِمَا رُوِيَ الْحَلَالُ بَيْنَ، وَالْحَرَامِ بَيْنَ وَمَنْ وَقَعَ حَوْلَ الْحِمَى فَحَقِيقٌ أَنْ يَقَعَ فِيهِ.)) ②

”عرف شرعی میں اپنے نفس کو گناہ میں واقع کرنے والے اُمور سے بچانے کا نام تقویٰ ہے، اور یہ منہیات کو (مکمل طور پر) اور بعض (مشکوٰۃ) مباحات کو بھی ترک کر دینے سے ممکن ہے، جیسا کہ (نبی اکرم ﷺ کی) حدیث ہے کہ حلال و حرام (کی حدود) واضح ہیں، اور جو کسی چراگاہ کے قریب بھٹکتا ہے، حقیقت میں اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔“

☆ معروف مفسر، امام ابوالقاسم جلال اللہ محمود بن عمر الزخشری رحمہ اللہ (المتوفی ۵۳۸ھ) تقویٰ کی شرعی تعریف یوں فرماتے ہیں:

((وَهُوَ فِي الشَّرِيعَةِ الَّذِي يَقِي نَفْسَهُ تَعَاطَى مَا يَسْتَحِقُّ بِهِ الْعُقُوبَةَ مِنْ فِعْلٍ أَوْ تَرْكِ)) ①

”شریعت میں متقی ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو ایسے اُمور سے بچنے میں معروف ہو جائے جن کے کرنے یا نہ کرنے سے سزا لازم آتی ہے۔“

☆ علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ، تقویٰ کا شرعی معنی ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں:

((..... (وَالْمُتَّقِينَ) وَشَرْعًا صِيَانَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ عَمَّا يَضُرُّ فِي الْآخِرَةِ.)) ②

”شریعت کے مطابق اپنے آپ کو آخرت میں نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھنے والا متقی کہلاتا ہے۔“

☆ مندرجہ بالا توضیحات پر غور کرنے سے تقویٰ اور اہل تقویٰ کی یہ جامع تعریف سامنے آتی ہے:

”متقی وہ آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اور اپنی عاقبت کو مد نظر رکھتے

① تفسیر الکشاف، للزمخشري : ۹۱/۱.

② تفسیر روح المعانی، لآلوسی : ۱۰۸/۱.

ہوئے ایسے کاموں سے اجتناب کرے، جو اس کی عاقبت میں خلل اور خطرہ کا باعث بننے والے ہیں۔“

3۔ مراتب تقویٰ:

ہر چیز کے کچھ درجات ہوتے ہیں، اسی طرح تقویٰ کے بھی کچھ مراتب ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تقویٰ کے مراتب یوں بیان فرماتے ہیں:

((وَالْمَرَاتِبُ مُتَعَدَّةٌ لِتَعَدُّدِ مَرَاتِبِ الضَّرَرِ : فَأَوَّلُهَا: التَّوَقُّيُّ عَنِ الشِّرْكِ .

وَالثَّانِيَةُ: التَّجَنُّبُ عَنِ الْكِبَائِرِ وَمِنْهَا الْإِصْرَارُ عَلَى الصَّغَائِرِ
وَالثَّالِثَةُ: مَا أَشِيرَ إِلَيْهِ بِمَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ .

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا
مِمَّا بِهِ بَأْسٌ ، وَفِي هَذِهِ الْمَرْتَبَةِ يُعْتَبَرُ تَرْكُ الصَّغَائِرِ .)) ❶

”جیسے تکلیف و ضرر کے مختلف مراتب ہیں اسی طرح تقویٰ کے بھی مختلف مراتب ہیں:

(1)..... پہلا مرتبہ شرک سے اجتناب۔

(2)..... دوسرا مرتبہ کبیرہ گناہوں سے کنارہ کشی اور صغیرہ پر اصرار بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

(3)..... تیسرا مرتبہ وہ ہے جس کی طرف امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے: ”آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک حرج والی چیزوں سے بچنے کے لیے ان چیزوں کو ترک نہ کر دے، جن کے کرنے میں حرج نہیں ہے، اور اس مرتبہ میں معتبر ترین چیز صغیرہ گناہوں کو ترک کرنا ہے۔“



تقویٰ کی اہمیت

(1) تمام انسانوں کو تقویٰ کا حکم:

تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کی تمام انسانیت کو تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ (النساء: ۱۳۱)

”اور ہم نے اُن لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں بھی وصیت کی تھی کہ اللہ سے ڈرو۔“

مزید برآں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرہ: ۲۱)

”اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا، اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر گئے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔“

(2) اہل ایمان کو تقویٰ کا حکم:

اور متعدد مقامات پر اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنا چاہیے، اور تمہاری موت آئے تو اسلام پر آئے۔“

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ”حَقُّ تَقَاتِهِ“ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ،
 ((أَنْ يُطَاعَ فَلَا يُعْصَى وَيُذَكَّرُ فَلَا يُنْسَى .)) ❶

”اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اُسے یاد کیا جائے، بھولا نہ جائے۔“

لہذا بندہ مومن ہر وقت ہر حال میں اللہ سے تعلق رکھے، اس کے عقاب سے ڈرتا رہے، اور اس کی عظمت و جلال کا اعتراف اس کے دل و دماغ پر مسلط رہے۔

(3) تمام رسولوں ﷺ کو تقویٰ کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو اکل حلال، عمل صالح اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوَا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝﴾ ❷

(المؤمنون: ۵۱-۵۲)

”اے میرے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، بے شک میں ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو خوب جاننے والا ہوں۔ اور بے شک یہی تم سب کا دین ہے، جو ایک ہی دین ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، پس تم لوگ مجھ سے ڈرتے رہو۔“

”مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ان عیسائی راہبوں کی تردید مقصود ہے جو

❶ مستدرک حاکم: ۲/۲۹۳، رقم: ۳۲۱۳۔ حاکم نے اسے ”صحیح علی شرط الشیخین“ کہا ہے۔ معجم کبیر،

للطبرانی، رقم: ۸۵۰۲۔ مجمع الزوائد: ۶/۳۲۶۔

اچھی چیزیں کھانا زہد و تقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام ہی انبیاء کو عمل صالح کا حکم دیا، کیونکہ دنیا و آخرت کی کامیابی اور نیک بختی کا

دار و مدار نیک کاموں پر ہی ہے۔“^①

(4) نبی کریم ﷺ کو تقویٰ کا حکم:

تقویٰ کی اس اہمیت کے تحت اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام انسانوں، اہل ایمان، انبیاء کرام ﷺ کو بارہا تقویٰ کی تلقین کی، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر، سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی تقویٰ کی تاکید فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِيعِ الْكُفْرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝﴾ (الأحزاب: ۱)

”اے میرے نبی! آپ اللہ سے ڈریے، اور کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کیجئے، بے شک اللہ بڑا جاننے والا، بڑا صاحب حکمت ہے۔“
حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

”اس میں اعلیٰ (سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ) کا ذکر کر کے ادنیٰ (اُمت) کو تنبیہ کی گئی ہے، جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول ﷺ کو اس بات کا حکم دے رہا ہے، تو ان سے کم درجہ والوں پر تو اس حکم کی تعمیل بطریق اولیٰ ہوگی۔“^②

(5) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو تقویٰ کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے اُمہات المؤمنین کو نصیحت کی کہ وہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتی رہیں، اس کا تقویٰ اختیار کریں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاتَّقِينَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝﴾

(الأحزاب: ۵۵)

② تفسیر ابن کثیر، تحت الآیۃ.

① تیسیر الرحمن، ص: ۹۷۸.

”اور اللہ سے ڈرتی رہیں، بے شک اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا کہ تم اپنے مقام اعلیٰ کی حفاظت اسی صورت میں کر سکو گی کہ صلاح و تقویٰ کو اپنی زندگی کا شعار بنا لو گی۔

﴿يُنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾

(الاحزاب: ۳۲)

”اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو۔“

انبیائے کرام علیہم السلام کا اپنی امت کو دعوتِ تقویٰ دینے کا اہتمام:

تقویٰ کی مزید اہمیت کو سمجھنے کے لیے گذشتہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے حالات پر طائرانہ نظر ڈالیے:

1۔ سیدنا نوح علیہ السلام:

اللہ رب العزت نے سیدنا نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، تو آپ نے بعثت کے بعد جو سب سے پہلے دعوت دی اس میں عبادتِ الہی کے بعد سرفہرست تقویٰ تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ نوح علیہ السلام نے قوم سے کہا:

﴿أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ۝﴾ (نوح: ۳)

”تم اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاتَّقُوا ۝﴾ (الشعراء: ۱۰۵ تا ۱۰۸)

(الشعراء: ۱۰۵ تا ۱۰۸)

”قومِ نوح (علیہم السلام) نے رسولوں کو جھٹلایا، جب ان کو ان کے بھائی نوح نے کہا:

تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے؟ میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس

تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

2۔ سیدنا ہود علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف رسول بنا کر بھیجا، جنہوں نے اپنی قوم کو سب سے پہلے اللہ کے تقویٰ یعنی اس سے ڈرنے کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں آپ کا ارشاد یوں مذکور ہے:

﴿كَذَّبَتْ عَادُ الْهَرَسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ (۱۳۳)
إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۚ (۱۳۴)﴾

(الشعراء: ۱۲۳ تا ۱۲۶)

”قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلا دیا، جب ان کو ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس تم اللہ سے ڈرجاؤ اور میری اطاعت کرو۔“

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالِإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يُقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۚ (۶۵)﴾ (الأعراف: ۶۵)

”اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (نبی بنا کر بھیجا) اس نے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی الہ نہیں ہے۔ تم کیوں نہیں ڈرتے؟“

3۔ سیدنا صالح علیہ السلام:

قوم ثمود کی طرف اللہ تعالیٰ نے سیدنا صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، جنہوں نے اپنی قوم کو یوں دعوت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا

تَتَّقُونَ ﴿١٣٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٣٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا نَبِيَّكُمْ ﴿١٣٤﴾

(الشعراء: ۱۴۱ تا ۱۴۴)

”قوم شہود نے رسولوں کو جھٹلا دیا، جب ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے انہیں کہا: تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

4۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (١٦) (العنکبوت: ١٦)

”اور ہم نے ابراہیم کو بھی نبی بنا کر بھیجا، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اگر تم کچھ جانتے ہو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔“

5۔ سیدنا لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تقویٰ کی دعوت:

سیدنا لوط علیہ السلام نے ”سدوم“ اور ”عمور“ والوں کو ان کے شرک و معاصی کی وجہ سے عذاب سے ڈرایا، اور اپنی اطاعت و اتباع کی دعوت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ النَّبِيِّينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا نَبِيَّكُمْ ﴿١٦٣﴾﴾ (الشعراء: ١٦٠ تا ١٦٣)

”قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔ جب ان کے بھائی لوط نے انہیں کہا: تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

قوم لوط کو ان خوبصورت مہمانوں کے آنے کی اطلاع ملی تو۔

﴿قَالَ يُقْوِمُ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنَ فِي

صَیْغَتِ الْاِیْسِ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ﴾ (۷۸: ہود)

”(سیدنا لوط علیہ السلام نے) کہا! اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں تمہارے لیے زیادہ

پاکیزہ ہیں، پس تم اللہ سے ڈرو اور مجھے مہمانوں میں رسوا مت کرو، کیا تم میں کوئی

آدمی سمجھ دار نہیں ہے۔“

5۔ سیدنا شعیب علیہ السلام:

اہل مدین کو اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں ”اصحاب الایکۃ“ کا نام دیا

ہے۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

﴿كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ﴾ (۱۶۱) اِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ اَلَا

تَتَّقُونَ﴾ (۱۶۲) اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ﴾ (۱۶۳) فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاَطِیْعُوْنِ﴾ (۱۶۴)

(الشعراء: ۱۷۶ تا ۱۷۹)

”(اصحاب الایکۃ) یعنی بند والوں نے رسولوں کو جھٹلایا، جب ان کو شعیب علیہ السلام

نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر

بھیجا گیا ہوں، پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

6۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سرکش فرعون کو تقویٰ کا حکم:

اللہ رب العزت نے فرعون جو کہ مصر کا ایک ظالم اور سرکش حکمران تھا، جس نے اپنے

رب ہونے کا دعویٰ بھی کر رکھا تھا، اور لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتا تھا۔ جب یہ اپنی

سرکشی اور عداوت میں حد سے تجاوز کر گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر سیدنا موسیٰ علیہ السلام

کو اس کی طرف نبی بنا کر بھیجا، انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا۔ اس واقعہ کو

رب العالمین نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ ذیل میں اُن فرامین

الہیہ کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو تقویٰ کا حکم دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ۖ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۚ ۝١٦ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ ۝١٧ فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزْكَىٰ ۖ ۝١٨ أَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَنجُسَىٰ ۖ﴾ (النازعات: ۱۵ تا ۱۹)

”تحقیق آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آئی، جب اس کے رب نے اسے مقدس وادی طویٰ میں پکارا تھا کہ آپ فرعون کی طرف جائیے، بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے، پھر اس سے کہیے، کیا تو تزکیہ کرنے کو تیار ہے، اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں، تاکہ تو اُس سے ڈر جائے۔“

﴿اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ ۝١٧ فَقُلْ هَلْ لَّكَ قَوْلًا لَّيْسَ لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۖ﴾ (طہ: ۴۳، ۴۴)

”تم دونوں (موسیٰ اور ہارون) فرعون کی طرف جاؤ، بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے، پس تم دونوں اسے نرم بات کہو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔“

7۔ سیدنا الیاس علیہ السلام:

سیدنا الیاس علیہ السلام، جن کا نام بنی اسرائیل کی کتابوں میں ”ایلیا“ آیا ہے۔ ان کا زمانہ سلیمان علیہ السلام کے بعد کا تھا۔ انہیں اللہ نے شہر بعلبک اور اس کے گرد و نواح میں گرہ دینا اور رہنے والے بنی اسرائیل کے لیے اس وقت نبی بنا کر بھیجا تھا، جب ان میں بت پرستی پھیل گئی تھی، لوگ اللہ کے بجائے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ہر قسم کی نذر و نیاز اور قربانی انہی کے نام سے کرتے تھے، اور تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

الیاس علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم اللہ سے ڈر جاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۝﴾

(الصافات: ۱۲۳-۱۲۴)

”اور بے شک الیاس بھی پیغمبروں سے میں تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے ہو۔“

8۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام:

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب آپ سے آسمان سے نزول دسترخوان کا مطالبہ کیا تو آپ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنُتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝﴾

(المائدہ: ۱۱۲)

”جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب اس پر قادر ہے کہ آسمان سے ہم پر دسترخوان نازل کرے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرجاؤ۔“

9۔ سید الانبیاء جناب محمد ﷺ:

نبی کریم ﷺ اپنی پوری زندگی لوگوں کو اللہ کے خوف اور تقویٰ کی دعوت دیتے رہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يُعْبَادُ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۖ إِنَّمَا يُؤَقِّي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (الزمر: ۱۰)

”اے میرے نبی! آپ کہہ دیجیے، اے میرے اہل ایمان بندو! اپنے رب سے

ڈرتے رہو۔ جو لوگ اس دنیا میں اچھے کام کریں گے، انہیں آخرت میں اچھا بدلہ ملے گا، اور اللہ کی زمین کشادہ ہے، بے شک (اللہ کی راہ میں) صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کا جِسْمُ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا اجر دیا جائے گا۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی زبانی مومنوں کو ہر حال میں اپنے رب سے ڈرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ جو لوگ اس دنیا میں عمل صالح کریں گے، اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں جنت دے گا، اور جن پر وطن کی زمین تنگ ہو جائے، اور اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو جائے، انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جانے کا حکم دیا ہے جہاں وہ بآسانی اس کی عبادت کر سکیں، انبیاء و صالحین کی یہی سنت رہی ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی بغیر صفت صبر ممکن نہیں، اس لیے آیت کے آخر میں صبر کی فضیلت اور اللہ کے نزدیک اس کے عظیم اجر و ثواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ترک قوم و وطن کی اذیت برداشت کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کڑوے گھونٹ برداشت کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں بے حساب اجر و ثواب عطا کرے گا، یعنی جنت دے گا جس کی نعمتیں ان گنت اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہوں گی۔

نبی کریم ﷺ نے بارہا اپنی احادیث میں بھی اللہ سے ڈرنے کی تاکید کی ہے۔ چند احادیث نبویہ ﷺ ملاحظہ فرمائیں:

امام ترمذی نے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ؟ وَاتَّبِعِ السَّبِيَّةَ الْحَسَنَةَ تَمَحُّهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ.))^①

① سنن ترمذی، ابواب البر والصلة، رقم: ۲۰۵۳۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“ اور علامہ البانی نے اس کو ”حسن“ قرار دیا ہے۔

”تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، برائی کے پیچھے نیکی کرو۔ نیکی برائی کو مٹا دے گی، اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔“

ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، آپ حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے:

((اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَصُومُوا شَهْرَكُمْ،
وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، وَأَطِيعُوا إِذَا أَمَرَكُمْ، تَدْخُلُوا جَنَّةَ
رَبِّكُمْ.))^①

”تم اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو، پانچ نمازیں ادا کرو، مہینے کے روزے رکھو،
اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو، اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو۔ تم اپنے رب کی جنت
میں داخل ہو جاؤ گے۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا گزرا ایک عورت کے پاس سے ہوا،
جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی، تو آپ نے اس سے فرمایا:

((اتَّقِي اللَّهَ وَأَصْبِرِي.))^②

”اللہ کا تقویٰ اختیار کر اور صبر کر۔“

پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں
سے افراد، جماعتوں، مردوں اور عورتوں سب کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم کرتے رہے اور تقویٰ
کی دعا کیا کرتے تھے۔

10۔ نبی اکرم ﷺ کا تقویٰ کی دعا کرنا:

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتَّقْيَ وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى.))^③

① سنن ترمذی، أبواب السفر، رقم: ۶۱۶۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ۸۶۷۔

② صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رقم: ۱۲۵۲۔

③ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء رقم: ۲۷۲۱/۷۲۔

”اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور تو نگری کا سوال کرتا ہوں۔“
 ((اللَّهُمَّ اِنِّ نَفْسٍ تَقْوَاهَا وَزَكَّاهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا
 وَمَوْلَاهَا .)) ❶

”اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما، اور اسے پاک کر دے تو اسے سب سے
 بہتر پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا نگران اور مددگار ہے۔“
 آپ ﷺ سواری پر سوار ہو کر اللہ سے ان الفاظ میں نیکی اور تقویٰ کی توفیق مانگتے تھے۔
 ((اللَّهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هَذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوَىٰ وَفِي الْعَمَلِ مَا
 تَرْضَىٰ .)) ❷

”اے اللہ! ہم اپنے سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتے ہیں، اور اس
 عمل کی توفیق مانگتے ہیں جو تجھے پسند ہے۔“



❶ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، رقم: ۲۷۲۲/۷۳.

❷ صحیح مسلم، کتاب الحج، رقم: ۱۳۴۲/۴۲۵.

حصولِ تقویٰ کے اسباب و ذرائع

1- ایمان:

ایمان اور تقویٰ دونوں لازم و ملزوم ہیں، پس جس دل میں ایمان ہوگا، تقویٰ ضرور موجود ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی علامات میں سے جو سب سے پہلی علامت بیان فرمائی ہے، وہ ایمان ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ۝﴾ (البقرہ: ۲، ۳)
 ”(یہ قرآن) ہدایت ہے متقین کے لیے، وہ لوگ جو (غیبی امور پر) ایمان رکھتے ہیں۔“

اسی طرح رب کائنات نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ایمان والوں کو مخاطب کر کے تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تمہیں موت صرف اور صرف مسلمان ہونے کی حالت میں آنی چاہیے۔“

سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝﴾ (المائدہ: ۸۸)

”اور جو تمہیں اللہ نے حلال، پاکیزہ مال عطا کیا ہے، اسے کھاؤ، اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔“

ان آیات کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے حصول کے لیے ایمان کا ہونا ضروری ہے، اگر دل میں اللہ پر ایمان ہی نہ ہو، تو خواہ انسان کتنا ہی رقیق القلب کیوں نہ ہو اس کو متقی اور پرہیزگار نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ ایک آدمی نے اگر تقویٰ کی بنیاد کو حاصل نہیں کیا ہے، تو وہ تقویٰ کو کیوں کر حاصل کر سکتا ہے؟

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِبُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (المائدہ: ۹۳)

”ان لوگوں پر جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کیے اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب وہ تقویٰ اختیار کریں، اور ایمان لائیں، اور نیک اعمال کریں، پھر وہ تقویٰ اختیار کریں، اور ایمان لائیں، پھر تقویٰ اختیار کریں، اور احسان کریں، بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

جب شراب اور جوئے کی حرمت کے بارے میں اللہ رب العزت نے فیصلہ کن حکم نازل کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی مکرم ﷺ سے سوال کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول! ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا کیا بنے گا، جو شراب پیتے، اور جو اکیلے تھے۔ اور اسی حالت میں ان کو موت آگئی تھی؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔^①

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((.....(وَالْقَوْلُ الْخَامِسُ) إِنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ هَذَا التَّكْوِيرِ التَّكْيِيدُ،

وَالْمُبَالَغَةُ فِي الْحِثِّ عَلَى الْإِيمَانِ وَالتَّقْوَى .)) ❶

”پانچواں قول یہ ہے کہ (اس آیت میں) ایمان اور تقویٰ کے تکرار سے بیان تاکید اور مبالغہ مقصود ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور گزشتہ قوموں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا الْكَفَرُ تَاعَهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا ذَخَلَهُمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ۖ﴾ (المائدہ: ۶۵)

”اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے، اور تقویٰ اختیار کرتے تو یقیناً ہم ان کے گناہوں کو مٹا دیتے، اور یقیناً ہم ان کو نعمتوں والی جنتوں میں داخل کر دیتے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْفُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا الْفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَ كَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝﴾ (الاعراف: ۹۶)

”اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے، اور تقویٰ اختیار کر لیتے، تو یقیناً ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلا دیا، تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔“

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يُعْبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۖ إِنَّمَا يُؤْفَى الصَّابِرُونَ أَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (الزمر: ۱۰)

”آپ کہہ دیجیے، اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو، اپنے رب سے ڈرو،

جنہوں نے بھلائی کی، ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے۔ اور اللہ کی زمین وسیع ہے، بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔“
اس آیت کریمہ میں بھی اللہ رب العالمین نے ایمان کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا بھی حکم دیا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ مندرجہ بالا آیات کریمہ سے ذہن میں سوال اُٹھتا ہے کہ کیا جس آدمی کے دل میں تقویٰ نہ ہو، وہ مومن ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا آسان سا جواب یہی ہے کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہو اور اگر ایمان کے ساتھ ساتھ رضائے الہی والے اعمال کیے جائیں تو اس سے تقویٰ کا حصول ممکن ہے۔ اس کے برعکس اگر اعمال کو ترک کر دیا جائے، تو تقویٰ سے خالی دل آہستہ آہستہ ایمان سے بھی خالی ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((وَالْمُرَادُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنْ يَضُمُّوا إِلَى الْإِيمَانِ التَّقْوَى ، وَهَذَا مِنْ أَوَّلِ الدَّلَائِلِ عَلَى أَنَّ الْإِيمَانَ يَبْقَى مَعَ الْمَعْصِيَةِ)) ❶

”مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ایمان کے ساتھ تقویٰ کو بھی شامل کرنے کا حکم دے رہا ہے، اور محصیت کے ساتھ ایمان کے بقاء کے اول دلائل میں سے ایک ہے۔“
ویسے تو قرآن حکیم میں ایمان کے ساتھ لزوم تقویٰ کے اور دلائل بھی موجود ہیں، لیکن ہم خوفِ طوالت کے پیش نظر صرف ان ہی دلائل پر اکتفاء کرتے ہیں۔

2۔ نماز:

کلمہ توحید کے بعد اسلام کا بنیادی رکن نماز ہے، جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ

کا ارشادِ عالی ہے:

((اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَلَاتُهُ)) ❶

”قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔“

ہمارے اس عنوان کے پیش نظر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اقامت الصلوٰۃ کے ساتھ تقویٰ کا بھی حکم موجود ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز، تقویٰ اور پرہیزگاری کا ذریعہ ہے۔ ان میں سے چند ایک مقامات کو ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

متقین کی علامات میں سے ایک علامت نماز بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۶۱ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۶۲﴾

(البقرہ: ۲، ۳)

”اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے، اس میں متقین کے لیے ہدایت ہے۔

(متقین وہ لوگ ہیں) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم

نے ان کو رزق دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔“

ایک مقام پر رب العالمین نے اسلام لانے کے حکم کے بعد نماز کے ذریعے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿قُلْ اِنَّ هُدًى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى ۙ وَاَمْرًا لِّنُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۱ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۙ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۶۲﴾

(الأنعام: ۷۱، ۷۲)

”آپ فرما دیجیے! بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور ہمیں حکم دیا

گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پالنے والے کے مطیع و فرماں بردار بن جائیں،

❶ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، باب المحاسبة على الصلاۃ، رقم: ۴۶۷۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ کہا ہے۔

اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور اس کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور وہی ذات ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

((..... ﴿وَأَمْرَنَا لِنُسْلِمَهُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ وَأَعْلَمَ أَنَّ قَوْلَهُ ﴿إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى﴾ دَخَلَ فِيهِ جَمِيعُ أَقْسَامِ الْمَأْمُورَاتِ، وَالْإِحْتِرَازُ عَنْ كُلِّ الْمَنْهَيَاتِ، وَتَقْرِيرُ الْكَلَامِ أَنَّ كُلَّ مَا تَعَلَّقَ أَمْرُ اللَّهِ بِهِ فَإِمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ بَابِ الْأَفْعَالِ وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ بَابِ التَّرْوِكَ.)) ❶

”یاد رکھو کہ آیت ﴿إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى﴾ میں احکام کی تمام اقسام اور منہیات سے احتراز شامل ہے، اور سیاق کلام بھی جن احکام الہی پر مشتمل ہے یا تو ان کا تعلق افعال (احکام الہی) سے ہے، اور یا وہ منہیات سے متعلقہ ہیں۔“

ان آیات کریمہ کا سیاق و سباق دو ہی چیزوں پر مشتمل ہے، یا تو وہ اوامر سے متعلقہ ہیں اور یا نواہی کے تو اس میں اوامر کو قدرے تفصیل اور نواہی کو بالاجمال ذکر کیا گیا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس تفصیل و اجمال کی وضاحت ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

((أَمَّا الْقِسْمُ الْأَوَّلُ: فَإِمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ بَابِ أَعْمَالِ الْقُلُوبِ وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ بَابِ أَفْعَالِ الْجَوَارِحِ، وَرِئِيسُ أَعْمَالِ الْقُلُوبِ الْإِيمَانُ بِاللَّهِ وَالْإِسْلَامُ لَهُ، وَرِئِيسُ أَعْمَالِ الْجَوَارِحِ الصَّلَاةُ، وَأَمَّا الَّذِي يَكُونُ مِنْ بَابِ التَّرْوِكَ فَهُوَ التَّقْوَى وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنِ الْإِتْقَاءِ عَنْ كُلِّ مَا لَا يَنْبَغِي، وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ لِمَا بَيْنَ أَوَّلَا: أَنَّ الْهُدَى النَّافِعَ هُوَ هُدَى اللَّهِ ذَلِكَ الْكَلَامُ الْكُلِّيُّ بِذِكْرِ

أَشْرَفِ أَقْسَامِهِ عَلَى التَّرْتِيبِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ الَّذِي هُوَ رَئِيسُ
الطَّاعَاتِ الرُّوحَانِيَّةِ، وَالصَّلَاةُ الَّتِي هِيَ رَئِيسُ الطَّاعَاتِ
الْجِسْمَانِيَّةِ، وَالتَّقْوَى الَّتِي هِيَ رَئِيسَةُ لِبَابِ التُّرُوكِ وَالْإِحْتِرَازِ
عَنْ كُلِّ مَا لَا يَنْبَغِي ثُمَّ بَيْنَ مَنَافِعِ هَذِهِ الْأَعْمَالِ فَقَالَ: ﴿وَهُوَ
الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ إِنَّ مَنَافِعَ هَذَا الْأَعْمَالِ إِنَّمَا تَظْهَرُ فِي يَوْمِ
الْحَشْرِ وَالْبَعْثِ وَالْقِيَامَةِ))

”پہلی قسم یعنی جو افعال و اعمال سے متعلق ہے اس کا تعلق یا تو اعمال دل سے
ہوتا ہے، یا افعال جوارح (بدنی اعمال) سے۔ تو اعمال دل میں سے سب سے
عظیم عمل اللہ پر ایمان لانا، اور اسلام قبول کرنا ہے۔ اسی طرح افعال جوارح
(بدنی عبادات) میں سے سب سے عظیم ترین عمل نماز ہے۔ اور وہ قسم جو منہیات
سے متعلق ہے، وہ تقویٰ ہے، جو ہر نامناسب چیز سے بچنے کا نام ہے۔ تو یہاں
پر پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ جو نفع مند ہدایت ہے، وہ اللہ کی ہی ہدایت
ہے، تو اس کے بعد کلی طور پر اسکی افضل ترین اقسام کو بھی بالترتیب بیان کر دیا، اور
وہ اسلام، جو کہ روحانی عبادت میں چوٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ نماز ہے جو
بالترتیب جسمانی عبادات میں چوٹی کی حیثیت رکھتی ہے، اور تقویٰ جو تمام منہیات
کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر ان اعمال کے فوائد کو بیان کرتے ہوئے
فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ یعنی اس کے فوائد قیامت کے دن
سامنے آئیں گے۔“

اور سورۃ الروم میں ارشاد فرمایا:

﴿مُيَبِّينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُسْرِكِينَ﴾ ۱۱

(الروم: ۳۱)

”اس (اللہ) کی طرف رجوع کرتے ہوئے اللہ سے ڈرو، اور نماز قائم کرو، اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔“

اس آیت کریمہ میں عقیدہ توحید، اور نماز کو حصول تقویٰ کا ذریعہ بتلایا گیا ہے۔

﴿إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَمَنْ

تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝﴾ (فاطر: ۱۸)

”بس آپ کا ڈرانا، ان لوگوں کے لیے (فائدہ مند) ہے جو بغیر دیکھے اپنے رب

سے ڈرتے، اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جس شخص نے تزکیہ نفس کیا اسے اپنے

ہی لیے تزکیہ کیا، اور اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے۔“

3۔ روزہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں روزے کی فرضیت کے احکام صادر فرما کر اس کا مقصود

تقویٰ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کر دیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر

فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اور تقویٰ کا چولی دامن کا تعلق

ہے۔ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فَفِيهِ وُجُوهٌ أَحَدُهَا: أَنَّهُ سُبْحَانَهُ بَيْنَ بَهَذَا الْكَلَامِ أَنَّ الصَّوْمَ

يُورِثُ التَّقْوَىٰ لِمَا فِيهِ مِنْ انْكِسَارِ الشَّهْوَةِ، وَانْقِمَاعِ الْهَوَىٰ

فَإِنَّهُ يَرُدُّ عَنِ الْأَشْرِ، وَالْبَطَرِ وَالْفَوَاحِشِ يَهُونُ لَذَاتِ الدُّنْيَا

وَرِيَّاسَتَهَا، وَذَلِكَ لِأَنَّ الصَّوْمَ لِكَسْرِ شَهْوَةِ الْبَطْنِ وَالْفَرْجِ

وَأَتَمَّا يَسْعَى النَّاسُ لِهَٰذَيْنِ ، كَمَا قِيلَ فِي الْمَثَلِ السَّائِرِ: أَلَمْرُءٌ يَسْعَى لِغَارِيَةِ بَطْنِهِ وَمِزْجِهِ .

فَمِنْ أَكْثَرِ الصَّوْمِ هَانَ عَلَيْهِ أَمِيرُ هَٰذَيْنِ وَخَفَّتْ عَلَيْهِ مَوَٰنِيهُمَا فَكَانَ ذَلِكَ رَادِعًا مَالَهُ عَنْ إِرْتِكَابِ الْمَحَارِمِ وَالْفَوَاحِشِ ، وَمُهِوَّنًا عَلَيْهِ أَمْرُ الرِّيَاسَةِ فِي الدُّنْيَا وَذَلِكَ جَامِعٌ لِأَسْبَابِ التَّقْوَىٰ فَيَكُونُ مَعْنَى الْآيَةِ فُرِضَتْ عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ لِتَكُونُوا بِهِ مِنَ الْمُتَّقِينَ الَّذِينَ أَثْنِيَتْ عَلَيْهِمْ فِي كِتَابِي وَأَعْلَمْتُ أَنَّ هَذَا الْكِتَابَ هَدَىٰ لَهُمْ وَلَمَّا اخْتَصَّ بِهِذِهِ الْخَاصِيَّةَ حَسَنٌ مِنْهُ تَعَالَى: أَنْ يَقُولَ عِنْدَ إِجَابَتِهَا ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ مِنْهَا بِذَلِكَ عَلَىٰ وَجْهِهِ وَجُوبِهِ لِأَنَّ مَا يَمْنَعُ النَّفْسَ عَنِ الْمَعَاصِي لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ وَاجِبًا .

وِثَانِيهَا: الْمَعْنَى يَنْبَغِي لَكُمْ بِالصَّوْمِ أَنْ يَقْوَىٰ وَجَاءَ كُمْ فِي التَّقْوَىٰ وَهَذَا مَعْنَى (لَعَلَّ)

وِثَالِثُهَا: الْمَعْنَى يَنْبَغِي لَكُمْ بِالصَّوْمِ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ اللَّهُ بِصَوْمِكُمْ وَتَرَكَكُمْ لِلشَّهَوَاتِ ، فَإِنَّ الشَّيْءَ كُلَّمَا كَانَتْ الرَّغْبَةُ فِيهِ أَكْثَرَ كَانَ الْإِتْقَاءُ وَالرَّغْبَةُ فِي الْمَطْعُومِ وَالْمَنْكُوحِ أَشَدُّ مِنَ الرَّغْبَةِ فِي سَائِرِ الْأَشْيَاءِ فَإِذَا سَهَلَ عَلَيْكُمْ إِتْقَاءُ اللَّهِ بِتَرْكِ الْمَطْعُومِ وَالْمَنْكُوحِ كَانَ إِتْقَاءُ اللَّهِ بِتَرْكِ سَائِرِ الْأَشْيَاءِ ، أَسْهَلَ وَأَخَفَّ .

وَخَامِسُهَا: لَعَلَّكُمْ تَتَّظِمُونَ بِسَبَبِ هَذِهِ الْعِبَادَةِ فِي زُمْرَةِ الْمُتَّقِينَ لِأَنَّ الصَّوْمَ شِعَارُهُمْ . ((❶

”آیت کے آخر میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ لانے کی کئی ایک وجوہات سمجھ آتی ہیں:

(1)..... پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت اس کلام سے واضح کرنا چاہتا ہے کہ روزہ تقوے کا متضمن اور خواہشات کو ختم کرنے والا ہے، کیونکہ وہ برائیوں سے روکتا، اور تکبر، فحاشی سے دُور رکھنے والا، اور دنیاوی لذتوں و خواہشات سے بے رغبت کرنے والا ہے، اور یہ اس لیے ممکن ہے، کیوں کہ روزہ پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت کو پارہ پارہ کرنے والا ہے، اور یہی وہ دو چیزیں ہیں، جن کے حصول کی انسان بھرپور کوشش کرتا ہے۔

پس جو انسان روزے کثرت سے رکھے گا اس پر ان دونوں کے حصول کی حسرت کمزور پڑ جائے گی جس سے ان دونوں چیزوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ تو گویا کہ روزہ اس کو حرام کاریوں اور فحش گوییوں کے ارتکاب سے روکنے، اور دنیاوی ریاست و سیادت کی خواہش کو کمزور کرنے والا ہے۔ گویا کہ (روزہ) اسباب تقویٰ کا مجموعہ ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا (کہ میں نے تم پر روزے فرض اس لیے کیے ہیں، تاکہ ان کے ذریعے تم ایسے متقی بن سکو، جن کی میں نے اپنی کتاب میں ثناء و مدح کی ہے، اور واضح کر دیا ہے کہ یہ کتاب صرف ان کے لیے ہی ہدایت کا باعث ہے۔ جب روزے اور تقویٰ کا یہ تعلق معلوم ہو جائے، تو اس کی فرضیت کے حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا بھی بجا ہوا (تاکہ تم متقی بن جاؤ)، کیوں کہ جو چیز نفس کو گناہوں سے روکتی ہے، اس کا واجب ہونا بھی ضروری ہے۔

(2)..... اس عبادت کے فرض کرنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ تم تقویٰ میں سخت جان ہو جاؤ، اور (لَعَلَّ) کا یہی مفہوم ہے۔

(3)..... اس عبارت کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ تاکہ تم روزہ رکھ کر اور شہوات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ کبھی کبھی کسی چیز سے کثرت رغبت کی وجہ سے بچنا مشکل ہوتا ہے، اور باقی تمام اشیاء کی نسبت کھانے، پینے اور جماع کرنے میں رغبت کثرت سے پائی جاتی ہے۔ لہذا جب ان چیزوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا آسان ہو جائے گا، تو باقی تمام کی تمام چیزوں کو ترک کرنا اور زیادہ آسان سے آسان تر ہو جائے گا.....

ان الفاظ کے استعمال کی پانچویں حکمت یہ ہے کہ تم اس عبادت کے ذریعے متقین کے زمرے میں شامل ہو جاؤ، کیونکہ روزہ ان کا شعار اور علامت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)“

اس ساری کی ساری گفتگو کا خلاصہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان میں موجود ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ.)) ❶

”جو آدمی جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا ترک کرنے کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

توجہ طلب بات :..... قارئین کرام! روزے کے اسرار و رموز اور اس کے فوائد و ثمرات پر غور فرمائیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر حرام چیزیں تو دور کی بات حلال چیزوں سے بھی رُک جاتا ہے۔ مثلاً عام حالات میں (حلال چیزوں) کا کھانا پینا جائز تھا، لیکن ایک خاص وقت سے لے کر خاص وقت تک ان حلال چیزوں سے بھی اجتناب کا پابند ہو گیا، گویا کہ انسان کو یہ درس اور سبق دیا جا رہا ہے کہ اے انسان! جس طرح تو نے اللہ کا حکم تسلیم کرتے

❶ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من لم يدع قول الزور والعمل به، رقم: ۱۹۰۳.

ہوئے حلال چیزوں کو ترک کر دیا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر حرام چیزوں سے اجتناب کرنا شروع کر دے۔ اور یہی تقویٰ کی انتہا ہے۔ اور مذکورہ حدیث نبوی ﷺ سے بھی ہمیں یہی درس ملتا ہے۔

4۔ صدقہ، خیرات اور زکوٰۃ:

گذشتہ صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ رب العزت نے تمام کی تمام عبادات کو تقویٰ اور خوفِ الہی کا پیش خیمہ قرار دیا ہے، اور اگر ان عبادات کو کرتے وقت دل میں تقویٰ اور خوفِ الہی نہ ہو، تو ان عبادات کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، کیوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرہ: ۲۱)

”اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں، اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔“

اگر تقویٰ کا حصول چاہتے ہو، تو اللہ کی عبادت کرو، اسی طرح اللہ کی عبادت کا مقصد بھی حصولِ تقویٰ ہی ہونا چاہیے، اس کے علاوہ کوئی اور غرض و غایت نہیں ہونی چاہیے۔

اب ہم اپنی بات کو آگے چلانے کے لیے اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

قارئین کرام! اتفاق فی سبیل اللہ، زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے، اور ان دونوں میں عموم و خصوص ہے۔ یعنی اتفاق فی سبیل اللہ میں عموم ہے، اور اس سے مراد ہر وہ مال ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اور زکوٰۃ خاص لفظ ہے جس سے مراد شرعی طور پر وہ مقررہ مال ہے جس کا صاحب نصاب پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا فرض اور ضروری ہے۔ جس کا مقصد بھی دلوں میں

اللہ کا تقویٰ، خشیتِ الہی اور اللہ کا خوف پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (التغابن: ۱۶)

”پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنتے رہو، اور اطاعت کرتے رہو، اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہو، اور وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچا لیا گیا، پس وہی شخص کامیاب ہے۔“
اس آیت کریمہ میں خوفِ الہی کا حکم دینے کے بعد تین چیزوں کا حکم فرمایا ہے:

۱۔ سمع۔

۲۔ اطاعت۔

۳۔ اور انفاق فی سبیل اللہ۔

اول الذکر دو چیزوں پر بحث کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ وہ ہمارے عنوان سے متعلقہ نہیں، لہذا آخر الذکر یعنی ”انفاق فی سبیل اللہ“ کے بارے میں گفتگو کرنا مقصود ہے۔ گذشتہ صفحات میں یہ بات گذر چکی ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ میں عموم و خصوص کا فرق ہے۔ لہذا زکوٰۃ کے لیے ”انفاق فی سبیل اللہ“ کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس انفاق فی سبیل اللہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مال زکوٰۃ کا ہی ہو، بلکہ صدقہ و خیرات بھی ہو سکتا ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَالْإِنْفَاقُ قَدْ يَكُونُ فِي الْمَالِ وَفِي غَيْرِهِ وَقَدْ يَكُونُ وَاجِبًا وَتَطَوُّعًا)) ①

”لفظ انفاق کا اطلاق مال اور غیر مال دونوں پر ہوتا ہے، اسی طرح واجب (زکوٰۃ) اور نفل (صدقہ و خیرات) کے لیے بھی اس کا (عام) استعمال ہوتا ہے۔“

زکوٰۃ و خیرات کا مقصد بھی حصول تقویٰ ہے، اگر زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات حصولِ تقویٰ اور حصولِ رضائے الہی کے لیے نہ دیے جائیں، تو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں، جیسا کہ ابواب العلم میں ”صحیحین“ کے حوالے سے طویل روایت گذر چکی ہے۔ لہذا امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ

① المفردات فی غریب القرآن، ص: ۵۲۲، باب النون مع الفاء۔

اپنی کتاب مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:

((الزَّكْوَةُ لِمَا يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ مِنْ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى إِلَى الْفُقَرَاءِ وَتَسْمِيَّتُهُ بِذَلِكَ مِمَّا يَكُونُ فِيهَا مِنَ الرِّجَاءِ وَالْبَرَكَةِ أَوْ تَرْكِيَةِ النَّفْسِ أَى تَمْنِيَّتِهَا بِالْخَيْرَاتِ وَالْبَرَكَاتِ أَوْ لَهَا جَمِيعًا فَإِنَّ الْخَيْرَيْنِ مَوْجُودَانِ فِيهَا، وَقَرَنَ اللَّهُ تَعَالَى الزَّكْوَةَ بِالصَّلَاةِ فِي الْقُرْآنِ بِقَوْلِهِ ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكْوَةَ﴾ وَبِزَكَاءِ النَّفْسِ وَطَهَارَتِهَا يَعِيرُ الْإِنْسَانُ بِحَيْثُ يَسْتَحِقُّ فِي الدُّنْيَا الْأَوْصَافَ الْمَحْمُودَةَ وَفِي الْآخِرَةِ الْأَجْرَ وَالْمُثُوبَةَ وَهُوَ أَنْ يَتَحَرَّى الْإِنْسَانُ مَا فِيهِ تَطْهِيرَةٌ.)) ❶

”زکوۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے انسان فقراء و مساکین کے حوالے کرتا ہے، اور اس کا نام زکوۃ اس لیے ہے کہ انسان اس کے ذریعے برکت اور تزکیۂ نفس کی اُمید رکھتا ہے یعنی خیرات و برکات کے حصول کی آرزو اور تمنا۔ تو اس میں دونوں چیزوں کا حصول ممکن ہے۔ رب العالمین نے قرآن حکیم میں زکوۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور تزکیۂ نفس کے ذریعے انسان دنیا میں اوصاف محمودہ اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اس لیے انسان کو ایسی چیز کی تلاش میں رہنا چاہیے جس سے اس کی (گناہوں سے) پاکیزگی ہو سکے۔“

امام اصفہانی رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ کا معنی ہی حصولِ طہارت (روحانی و جسمانی) ہے جو اللہ کے خوف اور خشیتِ الہی کے بغیر ناممکن ہے۔

اسی طرح وہ آیت کریمہ جو شروع سے ہی ہمارا محلِ استدلال بنتی چلی آ رہی ہیں، اس

میں متقین کی ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:

﴿وَمَتَّارٌ زَقَنَهُمْ يَنْفُقُونَ﴾ ۳ ﴿

”اور وہ لوگ (متقی ہیں) جو ہمارے عطا کیے ہوئے (مال) سے خرچ کرتے ہیں۔“

مالی اور بدنی عبادت:

زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جو بیک وقت مالی بھی ہے، اور بدنی بھی، کیونکہ انسان سارا دن حلال مال کی جستجو میں رہتا ہے، اس کے بعد حلال طریقے سے اپنے ہاتھ سے کمائے اس مال کو جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، تو اللہ رب العزت اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔

نیکو کار لوگ:

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں نیک لوگوں کو جن انعامات سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے، وہ یہ ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ۖ عَيْنًا يَشْرَبُ

بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَ بِهَا تَفْجِيرًا ۝﴾ (الدھر: ۶، ۵)

”بے شک نیک لوگ پیالوں سے (ایسے مشروبات) پیئیں گے جن کا ذائقہ کافور

کا ہوگا، یعنی (جنت میں) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے اسے جدھر

چاہیں گے پھاڑ کر لے جائیں گے۔“

تو اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے خوش نصیب کون لوگ ہیں، اور ان کے اندر کون سی علامات پائی جاتی ہیں؟ کہ ہم بھی ان عادات و خصائل کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کی جنتوں کے مستحق بن جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۖ وَيُطْعِمُونَ

الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝﴾ (۸) اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ

اللَّهُ لَا نُزِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ⑩ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا
عَبُوسًا قَمَطِرًا ⑪ ﴿ (الدھر: ۷ تا ۱۰)

”وہ اپنی نذروں کو پورا کرتے، اور اس دن سے خوف زدہ رہتے ہیں جس کی
برائی پھیلی ہوئی ہے۔ اور اللہ کی محبت کے (حصول) کے لیے مسکینوں، یتیموں
اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ بے شک ہم تمہیں صرف اور
صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں۔ اور تم سے کسی قسم کی جزایا
شکر گزاری نہیں چاہتے۔ بیشک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو
انتہائی پر مشقت اور سخت ہے۔“

ان آیاتِ کریمہ میں رب العالمین نے نیک اور صالحین لوگوں کی جملہ صفات بیان
کرتے ہوئے دو صفات یہ بھی بیان کی ہیں کہ وہ لوگ اپنا مال خرچ کرتے وقت اللہ کے خوف
اور خشیت الہی کو مد نظر رکھتے ہیں۔

نتیجہ بحث: بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ کا مقصد بھی جملہ
عبادات کی طرح اپنے دلوں میں رب العالمین کا ڈر اور تقویٰ جاگزیں کرنا ہے۔
5۔ حج:

اللہ کی رضا کے لیے حج کرنا انتہائی عظیم عمل ہے۔ ”صحیح بخاری“ میں امام بخاری رحمہ اللہ نبی
اکرم ﷺ سے حجِ مبرور کی فضیلت یوں بیان فرماتے ہیں:
(عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: مَنْ حَجَّ
لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. ①)
”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے
سنا کہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے حج کیا، پھر اس میں کوئی بے ہودہ بات یا اپنی

بیوی سے جماع نہ کیا، اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کیا، تو وہ اس دن کی طرح لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا یعنی گناہوں سے پاک ہو کر۔“
اس عظیم عبادت کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ۝﴾

(البقرة: ۱۹۷)

”اور زاد راہ اختیار کرو، یاد رکھو! بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرو۔“

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((أَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ فَفِيهِ قَوْلَانِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّ الْمُرَادَ، وَتَزَوَّدُوا مِنَ التَّقْوَىٰ، وَالِدَلِيلُ عَلَيْهِ قَوْلُهُ بَعْدَ ذَلِكَ ﴿فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ وَتَحْقِيقُ الْكَلَامِ فِيهِ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَهُ سَفَرَانِ:

1- سَفَرٌ فِي الدُّنْيَا 2- وَسَفَرٌ مِنَ الدُّنْيَا

(1)..... فَالسَّفَرُ فِي الدُّنْيَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْ زَادٍ، وَهُوَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ، وَالْمَرْكَبُ وَالْمَالُ.

(2)..... وَالسَّفَرُ مِنَ الدُّنْيَا لَا بُدَّ فِيهِ أَيْضًا مِنْ زَادٍ وَهُوَ مَعْرِفَةُ اللَّهِ وَمَحَبَّتُهُ وَالْإِعْرَاضُ عَمَّا سِوَاهُ، وَهَذَا لَزَامٌ دُخِيرُهُ مِنَ الزَّادِ الْأَوَّلِ لِوَجْهِهِ.

الْأَوَّلُ إِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُخَلِّصُكَ مِنْ عَذَابٍ مُوهُومٍ، وَزَادَ الْآخِرَةُ يُخَلِّصُكَ مِنْ عَذَابٍ مُتَيَقِّنٍ.

وَتَانِيهَا إِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُخَلِّصُكَ مِنْ عَذَابٍ مُنْقَطِعٍ، وَزَادَ

الْآخِرَةَ يُخْلِّصُكَ مِنْ عَذَابٍ دَائِمٍ .
 وَثَالِثُهَا إِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُؤْصِلُكَ إِلَى لَذَّةٍ مَمْرُوجَةٍ بِالْآلَامِ
 وَالْإِسْتِقَامِ وَالْبَلِيَّاتِ وَزَادَ الْآخِرَةَ يُؤْصِلُكَ إِلَى لَذَاتٍ بَاقِيَةٍ
 خَالِصَةٍ عَنْ شَوَائِبِ الْمُضَرَّةِ، أَمْنُهُ مِنَ الْإِنْقِطَاعِ وَالزَّوَالِ .
 وَرَابِعُهَا إِنَّ زَادَ الدُّنْيَا وَهِيَ كُلُّ سَاعَةٍ فِي الْأَذْبَارِ
 وَالْإِنْقِضَاءِ وَزَادَ الْآخِرَةَ يُؤْصِلُكَ إِلَى الْآخِرَةِ وَهِيَ كُلُّ سَاعَةٍ
 فِي الْأَقْبَالِ وَالْقُرْبِ وَالْوُصُولِ .
 وَخَامِسُهَا إِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُؤْصِلُكَ إِلَى مَنْصَبَةِ الشَّهْوَةِ
 وَالنَّفْسِ وَزَادَ الْآخِرَةَ يُؤْصِلُكَ إِلَى عَتَبَةِ الْجَلَالِ وَالْقُدْسِ، فَثَبَّتَ
 بِمَجْمُوعِ مَا ذَكَرْنَا أَنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى . ((۱
 ”آیت کریمہ ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ کی تفسیر میں دو قول
 ہیں:

پہلا قول: اس سے مراد یہ ہے کہ تقویٰ کو اپنا زادِ راہ بناؤ۔ جس کی دلیل آیت کا
 بعد والا حصہ ہے، یعنی ﴿فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾
 اور صحیح بات یہی ہے کہ انسان دو قسم کے سفروں کا مسافر ہے:
 1۔ وہ سفرِ جو دنیا میں (ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے) کرتا ہے۔
 2۔ وہ سفرِ جو دنیا سے آخرت کی طرف طے کرتا ہے۔
 تو دنیاوی سفر کے لیے بھی زادِ راہ اور مال و متاع کا ہونا ضروری ہے، اور آخرت
 کے سفر کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے۔
 تو دنیاوی سفر کا زادِ راہ کھانے، پینے، سواری اور مال و دولت وغیرہ پر مشتمل ہوتا

ہے، لیکن آخرت کا سفر اپنے (خالق حقیقی) اللہ تعالیٰ کی پہچان، اور اس کی محبت، جب کہ اس کے علاوہ (غیر اللہ کی محبت) سے روگردانی پر مشتمل ہے۔
تو سفر آخرت کا زادِ راہ اُخروی سفر کے مقابلے میں (مندرجہ ذیل) وجوہات کی بنا پر بہتر (اور ضروری) ہے:

(1)..... دنیاوی سفر کا زادِ راہ پیش آمدہ مشکلات سے بچانے کا سبب ہے، اس کے مقابلے میں آخرت کا سفر ایسی مصائب و آلام سے بچانے کا پیش خیمہ ہے جن کا انسان سے واسطہ پڑنا یقینی بات ہے۔

(2)..... دنیاوی سفر کا زادِ راہ تو مصائب و آلام کے ایک ختم ہو جانے والے سلسلے سے نجات کا باعث ہے، لیکن اُخروی سفر کا زادِ راہ عذاب و مشکلات کے ایک دائمی سلسلے سے حفاظت کا ضامن ہے۔

(3)..... دنیاوی سفر کا زادِ راہ ایسی (عارضی) لذات کا مضمّن ہے، جن کے ساتھ مصائب و آلام اور بیماریوں کا ہونا بھی ایک فطری چیز ہے، لیکن آخرت کا زادِ راہ ہمیشہ باقی رہنے والا، اور ہر قسم کی مضر چیزوں سے خلاصی دینے والا ہے۔

(4)..... دنیاوی زادِ راہ (ایک محدود مدت تک کے لیے ہے) جس کا جدا ہو جانا بھی ممکن ہے، اور وہ آنے جانے والی چیز ہے، جب کہ آخرت کا زادِ راہ ہمیشہ کے لیے قریب رہنے والا اور جدا نہ ہونے والا ہے۔

(5)..... دنیا کا زادِ راہ شہوت نفسانی کی رغبت پر اُکسانے والا ہے، جب کہ آخرت کا زادِ راہ (دل کے اندر) رب ذوالجلال والقدوس کی سزا کا خدشہ پیدا کرنے والا ہے۔

ان توضیحات سے ثابت ہوتا ہے کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہی ہے۔“
امام رازی رحمہ اللہ کے اس قول کی مزید تائید مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔

﴿يَبْقَىٰ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوَاتِكُمْ وَرِيشًا
وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ ﴿۳۶﴾

(الاعراف: ۲۶)

”اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے اوپر ایسا لباس اُتارا ہے، جو تمہاری شرم
گاہیں چھپاتا ہے، اور زیب و زینت کے لیے بھی لباس اُتارا، لیکن بہترین لباس
تقویٰ ہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وَقَوْلُهُ ﴿فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ لَمَّا أَمَرَهُمْ بِالزَّادِ لِلسَّفَرِ
فِي الدُّنْيَا أَرْشَدَهُمْ إِلَى زَادِ الْآخِرَةِ وَهُوَ اسْتِصْحَابُ التَّقْوَى
إِلَيْهَا كَمَا قَالَ: ﴿وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ لَمَّا ذَكَرَ
الْبِبَاسَ الْحَسِّيَّ فِيهِ مُرْشِدًا إِلَى اللَّبَاسِ الْمَعْنَوِيِّ وَهُوَ الْخُشُوعُ
وَالطَّاعَةُ وَالتَّقْوَىٰ وَذَكَرَ أَنَّهُ خَيْرٌ مِنْ هَذَا وَانْفَعُ.)) ❶

”اللہ تعالیٰ نے (حجاج کرام کو) جہاں سفر حج کے لیے زادِ راہ کا حکم دیا تو ساتھ ہی
سفرِ آخرت کے زادِ راہ کی طرف بھی راہنمائی فرمادی۔ جو کہ لزومِ تقویٰ ہے۔ جیسے
فرمایا: ﴿وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ اس میں بھی جہاں ظاہری
لباس کا تذکرہ کیا، وہاں ساتھ مصنوعی لباس کی طرف بھی راہنمائی فرمائی، جو
خشوع و خضوع، اطاعت اور تقویٰ ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ بہترین اور نفع مند
(لباس) یہی ہے۔“

آیت ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾ کا شانِ نزول:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ كَانَ أَنَا سٌ يَخْرُجُونَ مِنْ أَهْلِيهِمْ لَيْسَتْ
مَعَهُمْ أَرْوَدَةٌ يَقُولُونَ: نَحْبُ بَيْتَ اللَّهِ وَلَا يُطْعِمُنَا؟ فَقَالَ اللَّهُ: تَزَوَّدُوا
مَا يَكْفِي وَجُوهَكُمْ عَنِ النَّاسِ .)) ❶

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ زادِ راہ لیے بغیر گھروں سے حج
بیت اللہ کے لیے نکل کھڑے ہوتے، اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کھلاتا نہیں، لیکن
ہم اس کے گھر کے حج کے لیے نکلتے ہیں؟ تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ تم
ساتھ اتنا زادِ راہ لے لیا کرو جتنا تمہیں لوگوں سے کافی ہو جائے۔“

قابل غور !..... اللہ رب العزت نے حج جیسے عظیم عمل کے لیے بھی تقویٰ کو لازم قرار
دیا ہے، لیکن آج ہماری مسلمانوں کی حالت کیا ہے؟ کہ حج کے لیے جاتے ہیں، مکمل انتظام و
انصرام کے ساتھ گھروں سے نکلتے ہیں، چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور پھر نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی یاد ہوتا ہے کہ جو حج مبرور کرے گا، وہ نو مولود بچے کی طرح
گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔ لیکن کبھی ہم نے یہ سوچا کہ اس مقدس سفر کے لیے ہم جو رقم
خرچ کر رہے ہیں اسے ہم نے کس طریقے سے حاصل کیا ہے؟ وہ حلال طریقے سے حاصل کی
گئی ہے یا حرام طریقے سے؟ اس کے حصول میں ہم نے کسی کا حق تو نہیں دبایا؟ یا ہم نے کسی
غریب، مسکین اور لاچار پر ظلم و زیادتی تو نہیں کی۔ ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے ضمیر
سے سوال کریں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اللہ کا شکر ادا کیجیے، اور اگر جواب نفی میں
آئے، اور مال سودی کاروبار سے حاصل شدہ ہو، حرام مال کی آمیزش ہو، یا کسی پر ظلم و زیادتی
کے بعد اس مال کو حاصل کیا گیا ہو، تو یاد رکھیے! حرام کھانے والے کا حج تو دُور کی بات کوئی
عبادت بھی قبول نہیں کی جاتی۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۚ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (المؤمنون: ۵۱) وَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ (البقرة: ۱۷۲) ثُمَّ ذَكَرَ، الرَّجُلُ يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ؟)) ❶

”لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم اپنے رسولوں کو دیا تھا وہی مومنین کو دیا ہے (رسولوں کو ارشاد ہے) ”اے رسولو! حلال مال کھاؤ اور نیک اعمال کرو، بے شک جو عمل تم کرتے ہو میں انہیں جاننے والا ہوں۔“ (اور ایمان والوں کو حکم ہے) کہ ”اے ایمان والو! تم حلال مال کھاؤ جو ہم نے تم کو دیا ہے۔“ پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کر کے گردوغبار سے اٹے بالوں کے ساتھ (بارگاہ رب العالمین میں) اپنے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، پینا، پہننا (سب) حرام مال سے ہے، بلکہ اس کی غذا ہی حرام ہے، تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟“

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((وَفِيهِ الْحَثُّ عَلَى الْإِنْفَاقِ مِنَ الْحَلَالِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْإِنْفَاقِ مِنْ غَيْرِهِ وَفِيهِ أَنَّ الْمَشْرُوبَ وَالْمَأْكُولَ وَالْمَلْبُوسَ وَنَحْوَ ذَلِكَ

يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ حَلَالًا خَالِصًا لَا شُبْهَةَ فِيهِ وَإِنْ مِنْ إِرَادِ الدُّعَاءِ
كَانَ أَوَّلِيْ بِالْإِعْتِنَاءِ بِذَلِكَ مِنْ غَيْرِهِ. ((①

”اس حدیث میں حلال مال کو خرچ کرنے کی ترغیب، اور حرام مال خرچ کرنے سے روکا گیا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ انسان کے کھانے پینے اور لباس میں حرام کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ خالص حلال ہونا چاہیے، ایسے ہی دعا کرتے وقت سب سے پہلے اسی کا اہتمام کرنا چاہیے۔“

اب ذرا معاشرے میں غور کیجیے! کتنے ایسے لوگ ہیں جو سودی کاروبار سے حاصل شدہ مال سے صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں۔ یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی مدد بھی کرتے ہیں۔ حج وغیرہ بھی کرتے ہیں، اور پھر ظلم کی انتہا یہ کہ ایسے لوگوں کو مقام و مرتبہ بھی بہت زیادہ دیا جاتا ہے، جو کوئی جتنا زیادہ حرام خور ہوگا، وہ محلے یا علاقے میں اتنا ہی معزز شمار ہوگا۔ حالانکہ سود کھانے والے لوگوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا واضح فرمان موجود ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، الرِّبَا سَبْعُونَ
حُوبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ.)) ②

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں، سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کر لے۔“

ذرا غور کیجیے! یہ عزت ہے یا لعنت ہے۔ اور پھر جس فعل کے گناہ کا ادنیٰ ترین درجہ اپنی والدہ سے نکاح کرنے کے مترادف ہے تو ذرا تصور کیجیے، باقی درجات کتنے زیادہ قبیح ہوں گے۔

① شرح النووی: ۱۰۰/۷۔

② سنن ابن ماجہ، باب التغلیظ فی الربا، رقم: ۲۲۷۴۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

6۔ سودی کاروبار چھوڑ دینا:

ذیل کی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ ایمان کا تقاضا تقویٰ ہے، کیونکہ سود اور ایمان دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ (البقرة: ۲۷۸)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اگر تم مومن ہو، تو باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو۔“

سود ترک نہ کرنے والوں کے لیے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِمَحْرَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۲۷۹)

”اور اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کر لو گے تو اصل مال کے مالک تم ہی ہو گے۔ ظلم نہیں کرو گے، تو تم پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

بہر حال خلاصہ کلام یہ ہے کہ حج بیت اللہ کے لیے بھی لازمی چیز تقویٰ ہے۔ جس کا حصول مالِ حلال اور خلوصِ نیت کے بغیر ممکن نہیں۔

7۔ جہاد فی سبیل اللہ:

جہاد فی سبیل اللہ ایک ایسا عمل ہے جس میں اہل ایمان کو اپنا مال و دولت، حتیٰ کہ اپنی جان تک اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا حکم ہے، اور جان کی قربانی کے لیے کوئی بھی آدمی اس وقت تک آمادہ اور تیار نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے دل میں حقیقی طور پر اللہ کا خوف اور خشیت الہی پیدا نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ خشیت الہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے دل میں پیدا ہو جائے اس کے دل سے غیروں کا ڈر اور خوف ختم ہو جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ متقی آدمی جہاد فی سبیل اللہ سے بالکل گریز نہیں کرتا، جب کہ اس کے برعکس جس کے دل میں اللہ کا

خوف اور ڈر نہیں ہوتا، وہ اس عظیم عمل سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ﴾ (التوبة: ۴۴)

”نہیں آپ سے اجازت طلب کرتے وہ لوگ، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ، اور اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے۔“

علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کا مفہوم یوں واضح فرماتے ہیں:

((شَهَادَةُ لَهُمْ بِالتَّقْوَى لَوْضَعِ الْمَظْهَرِ فِيهِ وَمَوْضِعِ الْمُضْمِرِ أَوْ إِرَادَةِ جِنْسِ الْمُتَّقِينَ وَدُخُولِهِمْ فِيهِ دُخُولًا أَوَّلِيًّا وَعِدَّةٌ لَهُمْ بِالثَّوَابِ الْجَزِيلِ .)) ①

”یہ (جہاد میں نکلنے والوں) کے تقوے کی گواہی ہے، کیوں کہ (تقوے میں) ظاہر اور باطن دونوں موافق ہوتے ہیں یا پھر متقین کی قسم مراد ہے، جن کا اس (جہاد) میں داخل ہونا اولاً ہوتا ہے۔ اور یہ (متقین) کے لیے بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔“

آگے لکھتے ہیں:

((وَفِي ذَلِكَ تَقْرِيرٌ لِمُضْمُونٍ مَا سَبَقَ كَأَنَّهُ قِيلَ: وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِأَنَّهُمْ كَذَلِكَ إِشْعَارٌ بِأَنَّ مَا صَدَرَ عَنْهُمْ مُعَلَّلٌ بِالتَّقْوَى .)) ②

”اس میں سابقہ مضمون کا اثبات ہے۔ گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ (دلی اعتبار سے بھی) اسی طرح ہیں یعنی اپنے دعوے میں سچے ہیں اور ان

کے اس فعل دلیل کو تقویٰ کی علامت قرار دیا ہے۔“

قاضی ابومحمد عبدالحق بن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((لَا تَحْتَا جُؤْنَ إِلَى أَنْ يَسْتَأْذِنُوا فِي أَنْ يُجَاهِدُوا بَلْ عُضُونُ قَدَمًا، أَيْ فَهْمٌ، أَحْرَاىَ إِلَّا يَسْتَأْذِنُوا فِي التَّخْلُفِ، ثُمَّ أَخْبَرَ بِعِلْمِهِ تَعَالَى بِالْمُتَّقِينَ وَفِي ذَلِكَ تَعْسِيرٌ لِلْمُنَافِقِينَ وَطَعْنٌ عَلَيْهِ بَيْنٌ.)) ❶

”انہیں تو جہاد سے اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے، بلکہ وہ تو آگے آگے چلنے والے لوگ ہیں۔ یعنی وہ بہتری اسی میں خیال کرتے ہیں کہ پیچھے رہنے کی اجازت ہی نہ لیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم ہونے کی بھی خبر دے دی، جو منافقین کے لیے انتہائی باعث عار بات ہے، اور ان پر واضح ڈانٹ ہے۔“

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ (التوبة: ۳۶)

”اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ تم سے سب مل کر لڑتے ہیں، اور جان لو کہ بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔“

اس آیت کریمہ میں متقین سے مراد قتال کرنے والے مومن ہیں، جن سے اللہ رب العزت نے اپنی معیت اور نصرت و تائید کا وعدہ کیا ہے۔ علامہ سید محمود الالوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((..... ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ بِالْوَلَايَةِ وَالنَّصْرِ، فَاتَّقُوا لِتَفُوزُوا بِوَلَايَتِهِ وَنُصْرِهِ سُبْحَانَهُ فَهُوَ إِرْشَادٌ لَهُمْ إِلَى مَا يَنْفَعُهُمْ فِي قِتَالِهِمْ بَعْدَ أَمْرِهِمْ بِهِ وَقِيلَ: الْمُرَادُ أَنَّ اللَّهَ مَعَكُمْ

بِالنَّصْرِ وَالْإِمْدَادِ فِيمَا تُبَشِّرُونَهُ مِنَ الْقِتَالِ وَإِنَّمَا وَضَعَ الْمُظْهَرُ
مَوْضِعَ الْمُضْمِرِ مَدْحًا لَّهُمْ بِالتَّقْوَى وَحَثًّا لِلْقَاصِرِينَ عَلَى
ذَلِكَ وَإِذْنًا بِأَنَّهُ الْمَدَارُ فِي النَّصْرِ، وَقِيلَ: هِيَ بَشَارَةٌ وَضَمَانٌ
لَّهُمْ بِالنَّصْرَةِ بِسَبَبِ تَقْوَاهُمْ كَمَا يُشْعِرُ بِذَلِكَ التَّعْلِيقُ بِالْمُسْتَقَى،
وَمَا ذَكَرْنَاهُ نَحْنُ لَا يَخْلُوا عَنْ حَسَنِ إِلَّا أَنَّ الْأَمْرَ بِالتَّقْوَى فِيهِ
أَعْمٌ مِنَ الْأَحْدَاثِ وَالذَّوَامِ وَمِثْلُهُ كَثِيرٌ فِي الْكَلَامِ. ①

”اس آیت میں معیت سے مراد تائید و نصرت ہے، پس اس کی تائید و نصرت
سے سرفراز ہونے کے لیے تقویٰ اختیار کرو۔ قتال کے حکم کے بعد ان کی ایسی چیز
کی طرف راہنمائی کی جا رہی ہے، جو ان کے لیے میدانِ قتال میں نفع مند ثابت
ہو۔ اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ میدانِ قتال میں پیش آنے
والے حالات میں اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔“

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی مدح کرتے ہوئے، جبکہ تقویٰ سے
خالی لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کے لیے ظاہر کو باطن کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اور اس بات
پر خبردار کرنے کے لیے کہ اللہ کی طرف سے نزولِ نصرت کے لیے تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے تقویٰ کے سبب ان کو نصرت کی ضمانت، اور خوش خبری دی
گئی ہے، جیسا کہ سیاق کلام سے واضح ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ کوئی نیکی کا کام ایسا نہیں ہے، جس کے ساتھ لزوم
تقویٰ کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ جس کی مثالیں کلام اللہ میں کثرت سے موجود ہیں۔

8- صبر:

قارئین کرام! جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں یہ بیان کر آئے ہیں کہ ہر نیک عمل کے ساتھ

تقویٰ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، جیسا کہ علامہ سید محمود الالوسی رحمہ اللہ کا کلام بھی پہلے گزر چکا ہے ”کہ کوئی نیکی کا کام ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم نہ دیا گیا ہو، جس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔“

اب ہم اپنے عنوان کی طرف آتے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر تقویٰ اور صبر کے بارے میں مختصر سی گفتگو کرنا مقصود ہے:

صبر کا لغوی معنی:

ابو الحسین احمد بن فارس بن زکریا اللغوی (المتوفی ۳۹۵ھ) صبر کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

((صَبَرْتُ نَفْسِي عَلَىٰ ذَلِكْ اَيَّ حَبَسْتُهَا وَاَصْلُ الصَّبْرِ: اَلْحَبْسُ))^①

”صَبَرْتُ نَفْسِي عَلَىٰ ذَلِكْ“ کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو روک رکھا، اور اصل میں صبر رکنے کو کہتے ہیں۔“

یعنی کسی بھی چیز سے رُک جانے کا نام صبر ہے۔ چنانچہ علامہ محمود الالوسی رحمہ اللہ صبر کا معنی بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((..... (الصَّبْرُ) حَبْسُ النَّفْسِ عَلَىٰ مَا تَكْرَهُ .))^②

”ناپسندیدہ کام پر نفس کو روکنے کا نام صبر ہے۔“

صبر کی شرعی تعریف:

امام رازی رحمہ اللہ صبر کی شرعی تعریف یوں تحریر فرماتے ہیں:

((اَمَّا الصَّبْرُ فَهُوَ قَهْرُ النَّفْسِ عَلَىٰ اِحْتِمَالِ الْمَكَارِهِ فِي ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی تَوْطِئُهَا عَلَى تَحْمِلِ مُشَاقِّ وَتَجَنُّبِ الْجَزَعِ .))^③

② روح المعانی: ۲/۲۴۸.

① مجمل اللغة، ص: ۵۴۹.

③ تفسیر الکبیر، للرازی: ۴/۱۴۴.

”اللہ کی رضا کے لیے اپنے نفس کو (نفس پر) ناگوار گزرنے والے اُمور پر آمادہ کرنے، پر مشقت اُمور کی ترغیب دینے اور جزع (بے صبری) سے رُک جانے کا نام صبر ہے۔“

اللہ رب العزت نے قرآن میں صبر والے لوگوں کو ہی متقین کہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۗ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ (البقرہ: ۱۷۷)

”صبر کرنے والے تکلیف، سختی اور (میدان) قتال میں، یہی لوگ ہیں، جنہوں نے سچی بات کی، اور یہی لوگ تقوے والے ہیں۔“

اس آیت کریمہ میں صبر کرنے کے لیے انتہائی اہم اُمور کو بیان کیا گیا ہے۔ جن سے باقی اُمور میں صبر کرنے کی توثیق ہوتی ہے، بلکہ کہنا تو یوں چاہیے کہ اجمالی طور پر مقامات صبر کو بیان کر دیا گیا ہے، کیونکہ صبر کا معنی ہی ناگوار اُمور پر سچے رہنا ہے۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((..... ﴿وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ نَضَبٌ عَلَى الْمَدْحِ بِتَفْدِيرٍ. أَخَصَّى أَمْدَحَ، وَغَيَّرُ سَبْكٍ عَمَّا قَبْلَهُ تَنْبِيْهَا عَلَى فَضِيلَةِ الصَّبْرِ وَمَزِيَّتِهِ عَلَى سَائِرِ الْأَعْمَالِ حَتَّى كَانَهُ لَيْسَ مِنْ جَنْسِ الْأَوَّلِ.)) ❶

”لفظ (الصَّابِرِينَ) ”أَخَصَّى“ (اس نے خاص کیا) یا امدح (اس نے مدح و تعریف کی) ان دونوں لفظوں کے مقدر ہونے کی وجہ سے مدح کی بناء پر منصوب ہے۔ اور اس جملے کو، صبر کی فضیلت بیان کرنے اور تمام اعمال سے جداگانہ حیثیت کی بناء پر گزشتہ کلام سے جدا کیا ہے۔“

اقسام صبر:

سلف صالحین سے مختلف احوال میں صبر کی مختلف اقسام منقول ہیں، جو سب اپنی اپنی جگہ اپنا مقام اور حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی (المتوفی ۲۵۴ھ) صبر کی اقسام بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((الصَّبْرُ عَلَى فُرُوبٍ ثَلَاثَةٌ، فَالصَّبْرُ عَنِ الْمَعَاصِي،
وَالصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَاتِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْمَصَائِبِ))^①
”صبر کی تین اقسام ہیں:

- (1) گناہوں (سے بچنے کے لیے پیش آنے والی مشکلات) پر صبر کرنا۔
- (2) نیکی (کے کام کرنے کے لیے پیش آمدہ مشکلات) پر صبر کرنا۔
- (3) (روزمرہ کے معاملات میں) آنے والے مصائب و پریشانیوں پر صبر کرنا۔“

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ صبر کی اقسام درج فرماتے ہیں:

((اِعْلَمُ! أَنَّ الصَّبْرَ ضَرْبَانِ أَحَدُهُمَا بَدَنِيٌّ، كَتَحْمِلِ الْمُشَاقِّ بِالْبَدَنِ، وَالثَّبَاتُ عَلَيْهِ، وَهُوَ أَمَّا بِالْفِعْلِ كَتَعَاطِي الْأَعْمَالِ الشَّاقَّةِ أَوْ بِالْإِحْتِمَالِ كَالصَّبْرِ عَلَى الضَّرْبِ الشَّدِيدِ، وَالْأَلَمِ الْعَظِيمِ، وَالثَّانِي: هُوَ الصَّبْرُ النَّفْسَانِيُّ وَهُوَ مَنَعَ النَّفْسَ عَنْ مُفْتَضِيَّاتِ السَّهْوَةِ وَمُسْتَهْيَاتِ الطَّبْعِ.))^②

”یاد رکھو! صبر کی دو قسمیں ہیں:

- (1) بدنی مثلاً بدن سے مشقت والے معاملات برداشت کرنا، اور

① روضة العقلاء ونزهة الفضلاء، ص: ۲۷۵.

② تفسیر الکبیر، للرازی: ۱۵۱/۴.

ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا۔ اور پھر یہ تو یا فعلی ہوگا جیسے مشکل معاملات کو سرانجام دینا یا احتمالی ہوگا جیسے متوقع شداوندِ آلام پر عزمِ صبر کرنا۔

(2)..... وہ نفسانی صبر ہے جو طبعِ پسند اور خواہشات کی پسندیدہ چیزوں سے نفس کو روکنے کا نام ہے۔“

((ثُمَّ هَذَا الصَّبْرُ إِنْ كَانَ صَبْرًا عَنْ شَهْوَةِ الْبَطْنِ وَالْفَرْجِ سُمِّيَ عِفَّةً.)) ❶

”اگر پیٹ یا شرم گاہ کی خواہشات پر صبر کیا جائے، تو اس کو عفت (پاکدامنی) کہتے ہیں۔“

اسی طرح امام رازی رحمہ اللہ نے مختلف معاملات میں صبر کرنے کے مختلف نام ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

((وَقَدْ جَمَعَ اللَّهُ تَعَالَى أَقْسَامَ ذَلِكَ وَسَمَّى الْكُلَّ صَبْرًا، فَقَالَ: ﴿الصَّابِرِينَ فِي الْبِئْسَاءِ﴾ أَيْ الْمُصِيبَةِ ﴿وَالصَّارِءِ﴾ أَيْ الْفَقْرِ ﴿وَالْبِئْسَاءِ﴾ أَيْ الْمَحَارَبَةِ.)) ❶

”اللہ تعالیٰ نے ان تمام اقسام کو جمع کر کے ان سب کا (ایک جامع) نام صبر رکھ دیا ہے، اور فرمایا: ﴿الصَّابِرِينَ فِي الْبِئْسَاءِ﴾ مصائب میں صبر کرنے والے اور ﴿وَالصَّارِءِ﴾ یعنی تنگ دستی میں صبر کرنے والے ﴿وَالْبِئْسَاءِ﴾ یعنی جنگ میں صبر کرنے والے۔“

مزید وضاحت کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مکروہ چیزوں پر صبر کرنے کے جو مختلف نام امام رازی رحمہ اللہ نے تحریر فرمائے ہیں، انہیں بھی زینتِ قرطاس بنایا جائے۔ لہذا امام

❶ تفسیر الکبیر، للرازی: ۱۵۱/۴.

❷ تفسیر الکبیر، للرازی: ۱۵۲/۴.

رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ (جس کا ترجمہ یہ ہے):

”مکروہات کے مختلف ہونے کے اعتبار سے ان پر صبر کرنے کے نام بھی مختلف ہیں۔ عام طور پر آنے والے مصائب میں اس کا صبر ہی ہے جس کا متضاد (جزع اور بلع) یعنی شور شرابا کرنا ہے۔ اور یہ (جزع، بلع) خواہشات کے پیروکار آدمی کا آوازیں بلند کرنے، (شور شرابا کرنے) رخسار پیٹنے، اور سینہ کو بی کرنے کو کہتے ہیں، اور اگر صبر حالت غنا (وافر مال) میں کیا جائے، تو اسے ”ضبط نفس“ کہتے ہیں اور جنگ اور لڑائی کی حالت میں صبر کو شجاعت (بہادری) سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا اُلٹ جین (بزودی) ہے۔ اور غیظ و غضب کی حالت میں صبر کیا جائے تو اسے حلم (بردباری) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس کا متضاد نزق (طیش میں آنا) ہے۔ اور حوادثِ زمانہ پر کیے جانے والے صبر کو ”سعة الصدر“ (کشادہ دلی وسعت ظرفی) کہتے ہیں جس کا اُلٹ ”ضجر“ (کم دلی) ندم (پشیمانی) اور ضیق الصدر (تنگ دلی) ہے۔ اور کسی (تکلیف دہ) بات کو (دل میں) چھپائے رکھنے کو ”کتمان النفس“ کہتے ہیں، اور ایسا کرنے والے کو ”کُتُم“ کہتے ہیں۔ اور اگر فضول عیش و عشرت کی زندگی سے صبر کیا جائے، تو اسے ”زہد“ کہتے ہیں اور اس کا متضاد حرص (لاچ کرنا) ہے۔ اسی طرح کم مال پر گذر بسر کرنے کو ”قناعت“ کہتے ہیں جس کا متضاد شرہ (حرص کرنا) ہے۔“ ❶

قارئین کرام غور کیجیے! رب العالمین نے تمام قسم کے مصائب و شدائد کو یکجا کر دیا، پھر ان تمام اقسام کے واقع ہونے پر کنٹرول کرنے کا نام صبر رکھ دیا، اور صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اکثر نیک اعمال کا اجر مقرر کر دیا ہے، لیکن صبر کا کوئی اجر مقرر نہیں کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِيُعْبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَارْضُ اللَّهُ بِاسِعَةً إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ (الزمر: ۱۰)

”(اے نبی اکرم) فرمادیں کہ اے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرو، ان لوگوں کے لیے بھلائی (اچھا صبر) ہے، جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی، اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب دیا جائے گا۔“

امام اوزاعی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((لَيْسَ يُوزَنُ لَهُمْ وَلَا يُكَالُ لَهُمْ لَا يُعْرَفُ لَهُمْ عُرْفًا)) ❶

”ان کے اجر و ثواب کو ناپا تو لائیں جائے گا، بلکہ (بغیر حساب) کھلا اجر دیا جائے گا۔“

اسی طرح روزہ جو سراپا صبر ہے جس میں انسان بھوک، پیاس اور شہوات نفسانی سے اپنے آپ کو ہر حالت میں کنٹرول میں رکھتا ہے، اس کے بارے میں حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزَى بِهِ)) ❷

”آدمی کا ہر عمل اسی کے لیے ہے، لیکن روزہ میرے لیے ہے، اور میں ہی اس کا

اجر دوں گا۔“

وسعت صبر:

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ رب العزت نے مصائب و شدائد کی تمام اقسام کو یکجا کر کے ان کے مجموعے کا نام صبر رکھ دیا ہے، لیکن اگر بنظر غائر قرآن کریم کا مطالعہ کیا

❶ تفسیر القرآن العظيم، لابن كثير : ۴/ ۴۸ - ط : مصر .

❷ صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب هل يقول اني صائم اذا شئتم، رقم : ۱۸۹۴ .

جائے، تو تمام کے تمام اعمال صالحہ کو بجالانا، اعمال سیئہ سے اجتناب کرنا، اور تقدیر الہی کو دل و جان سے قبول کرنا، یہ تمام چیزیں جزوی طور پر صبر کو شامل ہیں۔ چنانچہ امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فَالصَّبْرُ مُتَعَلِّقٌ بِالْمَأْمُورِ وَالْمَحْظُورِ وَالْمَقْدُورِ بِالْخَلْقِ وَالْأَمْرِ، وَالشَّيْخُ دَائِمًا، يَحُومُ حَوْلَ هَذِهِ الْأُصُولِ الثَّلَاثَةِ، لِقَوْلِهِ يَا بُنَيَّ افْعَلْ إِنَّمَا مَأْمُورٌ وَاجْتَنِبِ الْمَحْظُورَ وَالصَّبْرُ عَلَى الْمَقْدُورِ.)) ❶

”صبر اوامر، نواہی اور ہر قسم کی تقدیر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور استاد (کی وصیت اپنے شاگرد کے حق میں) ان تینوں اُصول کے گرد گھومتی ہے، مثلاً استاد (اپنے شاگرد سے) کہتا ہے، بیٹا! احکام کو بجالاؤ، نواہی سے اجتناب کرو اور تقدیر پر صبر کرو۔“

اور یہی وہ تین چیزیں ہیں جن کا حکم سیدنا لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يُبْنَىٰ اَقَمِ الصَّلَاةَ وَامُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا اَصَابَكَ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝۱۷﴾ (لقمان: ۱۷)
 ”اے بیٹے! نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، برائی سے روک اور (اس راستے میں) جو مصیبت آئے اس پر صبر کر۔“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صبر ایک ایسی چیز ہے، جس کا اجر مقرر نہیں ہے، بلکہ اس کا اجر بغیر حساب ہوگا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يُوفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۵﴾ (الزمر: ۱۵)

”یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔“

صبر ایک ایسی چیز ہے جو تمام اسلامی عبادات، منکرات، محظورات، مامورات کا مجموعہ ہے۔

عبادات کرنے میں محنت صرف ہوتی ہے، مشقت اٹھانا پڑتی ہے اسی لیے ان کو صبر سے تعبیر کیا گیا، اور منکرات و محظورات میں بھی اسی طرح محنت شاقہ ایک لازمی چیز ہے۔ لہذا اس کو بھی صبر سے تعبیر کیا گیا، نتیجتاً احکام الہی کی پابندی کرنا اور منکرات سے اجتناب کرنا، تقویٰ کہلاتا ہے، لہذا منطقی اعتبار سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تقویٰ اور صبر دونوں قریب کے ساتھی ہیں۔ یعنی متقی بننے کے لیے صبر کی ضرورت ہے، اسی طرح صابر بننے کے لیے تقویٰ کا ہونا نہایت ضروری چیز ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

9۔ ہدایت:

ہدایت ایک ایسی منفرد چیز ہے، جس کا حصول تقویٰ کے بغیر ناممکن ہے۔ یعنی جس کے دل کے اندر ہدایت کی تڑپ موجود ہوگی، اور پھر اس کے حصول کے لیے کوشش بھی کرے گا، وہ اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، اس کے برعکس اگر کسی کے دل میں حصول ہدایت کی تڑپ اور لگن ہی موجود نہیں، تو قانون فطرت ہے کہ ایسے انسان کی کایا بھی نہیں پلٹ سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ (الرعد: ۱۱)

”بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے (دلوں کی) حالت تبدیل نہ کر لیں۔“

بقول اقبالؔ

خدا نے کبھی اُس قوم کی حالت کو نہیں بدلا
نہ ہو خیال جسے خود اپنی حالت بدلنے کا

اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں بار بار کہی:

﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ کے الفاظ سے،

کہیں ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ کے انداز سے،

اور کہیں ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ کے طرزِ بیان سے سمجھایا ہے۔

یعنی ظلم کرنے والے، فاسق و فاجر اور کافر جب تک اپنے دل کی دنیا کو تبدیل نہیں کر لیتے، اس وقت تک ان کو ہدایت سے روشناس نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برعکس جو آدمی قلب تقویٰ لے کر آئے گا، صراطِ مستقیم پر چلنے کی تڑپ لے کر آئے گا، قلب سلیم یعنی تعصب و تقلید سے صاف دماغ لے کر آئے گا، تو اس کے لیے رب العالمین راستے کھولتے چلے جائیں گے، اس کا اٹھنے والا ہر قدم پہلے سے اہم ہوتا چلا جائے گا۔ پھر ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب رب العالمین اس کو ہدایت اور صراطِ مستقیم کی دولت سے بہرہ ور فرمائے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلَا تَمْنَعْنِي عَلَيْكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّهُمْ لَا يَهْتَدُونَ﴾ (البقرہ: ۱۵۰)

(البقرہ: ۱۵۰)

”پس تم ان سے مت ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو! تاکہ میں تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دوں اور شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔“

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَهَذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمَرْءِ فِي كُلِّ أَعْمَالِهِ ، وَتَرَوْكَهٖ أَنْ يَنْصَبَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ خَشْيَةَ عِقَابِ اللَّهِ وَأَنْ يَعْلَمَ أَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِ الْخَلْقِ شَيْءٌ أَبْتَدَتْهُ وَأَنْ لَا يَكُونَ مُشْتَغِلًا الْقَلْبِ بِهِمْ وَلَا مُلْتَفِتًا الْخَاطِرِ إِلَيْهِمْ .)) ①

”یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آدمی پر اس کے تمام افعال کے بجالانے

اور نواہی سے باز رہنے کے وقت اپنی آنکھوں کے سامنے عقاب الہی کے خوف کو نصب کر لے، اور یقین کر لے کہ مخلوق کے ہاتھوں میں کوئی اختیار نہیں ہے، اور لوگوں کی طرف دیکھ کر پریشان نہ ہو اور نہ ہی انہیں کسی خاطر میں لائے۔“

جب تک انسان افعال کے بجالانے اور نواہی سے باز رہنے کے وقت خشیت الہی کو مد نظر نہیں رکھتا، بلکہ اس کے برعکس اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، ایسے لوگوں کے دلوں پر رب العالمین کی جانب سے مہر لگ جاتی ہے، جو کلامِ ہدایت کو سنتے تو ہیں، لیکن اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ہی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ۖ﴾ (محمد: ۱۶)

”اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کے ارشادات کو غور سے سنتے ہیں، حتیٰ کہ جب وہ آپ کی مجلس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جو علم دیے گئے، کہتے ہیں کہ ابھی ابھی آپ نے کیا فرمایا ہے؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ جنہوں نے فرامین رسول ﷺ کو اپنے کانوں سے سنا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی نفسیاتی خواہشات کو فرامین رسول ﷺ پر مقدم رکھا، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، جس وجہ سے وہ صراطِ مستقیم کی لازوال دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ علامہ خازن رحمہ اللہ (الموتی: ۷۴۱ھ) اس آیت کریمہ کے مفہوم کو یوں واضح فرمایا ہے:

((وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ لَمَّا تَرَكُوا اتِّبَاعَ الْحَقِّ آمَاتِ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلَمْ

تَفْهَمَ وَلَمْ تَعْقِلَ فَعِنْدَ ذَلِكَ اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ فِي الْبَاطِلِ .)) ①

”جب انہوں نے اتباع حق کو ترک کر دیا، تو اللہ نے ان کے دلوں کو مردہ کر دیا، جس وجہ سے وہ حق بات کو نہ سمجھ سکے، تو انہوں نے اُمورِ باطلہ میں اپنی خواہشات کی اتباع کی۔“

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے! اس آیت کریمہ میں (يَسْتَمِعُ) کے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے، جو باب ”اِسْتِفْعَالُ“ سے مشتق ہے۔ اور اس میں طلب اور تکلف کے معنی پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے پر تکلف انداز سے کلامِ مصطفیٰ ﷺ کو سنا، لیکن ان کی مرضی اور منشا کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں نے آوازِ حق کو تسلیم کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا، بلکہ بطورِ استہزاء و مذاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کرنے لگے کہ ﴿مَاذَا قَالَ اِنْغَا﴾ نبی اکرم ﷺ نے ابھی ابھی کیا ارشاد فرمایا ہے؟

ان کے اسی رویے کی بناء پر اللہ رب العزت نے ان کے دلوں کو مردہ بنا دیا، جس وجہ سے وہ حق بات سننے کے باوجود اسے تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔

اس کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے نبی رحمت ﷺ کی بات کو سن کر اپنانے کی کوشش کی تو اللہ رب العزت نے انہیں ان کی کوشش میں کامیاب فرما دیا، اور نہ صرف راہِ ہدایت پر چلنے میں ان کے سینوں کو کھول دیا، بلکہ ان کے دلوں میں تقویٰ اور خوفِ الہی بھی پیدا فرما دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَوْفَ يُعَذِّبُهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (محمد: ۱۷)

(محمد: ۱۷)

”اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت حاصل کی، اللہ نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا، اور انہیں ان کا تقویٰ بھی عطا فرما دیا۔“

حافظ ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((اَيُّ وَالَّذِينَ قَصَدُوا الْهُدَايَةَ وَفَقَّهَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى لَهَا فَهَدَاهُمْ

إِلَيْهَا وَبَتَّهِمْ عَلَيْهَا وَزَادَهُمْ مِنْهَا .)) ❶
 ”جن لوگوں نے ہدایت کا قصد کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر ثابت قدم رکھا،
 اور ان کو اور زیادہ ہدایت عطا فرمادی۔“

علامہ خازن رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے مفہوم کو یوں واضح فرماتے ہیں:
 ((يَغْنَى أَنَّهُمْ كُلَّمَا سَمِعُوا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِمَّا جَاءَ بِهِ عَنِ
 اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ آمَنُوا بِمَا سَمِعُوا مِنْهُ، وَصَدَّقُوهُ فَيَزِيدُهُمْ ذَلِكَ
 هُدًى مَعَ هِدَايَتِهِمْ وَإِيمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ .)) ❷
 ”یعنی جب انہوں نے زبان نبوت سے وحی الہی کو سن لیا، تو سننے کے بعد
 (فوراً) اس پر ایمان لے آئے، اور اس کی تصدیق کر دی تو (اس کے نتیجے
 میں) اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو ہدایت کے ساتھ اور ایمان کو ایمان کے
 ساتھ بڑھا دیا۔“

محترم قارئین کرام! علامہ علاء الدین خازن رحمہ اللہ کی اس وضاحت پر غور کریں تو معلوم
 ہوتا ہے کہ:

- ❶ حصول ہدایت کے لیے وحی الہی کی تصدیق کرنا انتہائی ضروری ہے۔ (جس میں حدیث
 رسول ﷺ بھی شامل ہے)
- ❷ حصول تقویٰ کے لیے ہدایت کا ہونا ضروری ہے۔
- ❸ ہدایت دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

سوال : یہاں پر ایک سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ اگر ہدایت دینے والی ذات
 صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو نبی اکرم ﷺ کے ہادی ہونے کا کیا مطلب ہے؟
جواب : اس سوال کا جواب تحریر کرنے سے پہلے ہادی کا معنی تحریر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

❶ تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر : ۱۷۷/۴۔

❷ تفسیر الخازن : ۱۳۷/۴۔

ہادی: یہ ”هَدَى يَهْدِي“ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنی ہے: راہنمائی کرنا۔ (المجذع، اُردو) مادہ: (ه، د، ی) ہدی۔ کسی کو بھی راہنمائی کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ ارشاد الی المطلوب ۲۔ ایصال الی المطلوب

(۱)..... ارشاد الی المطلوب: (منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرنا)

گذشتہ تمام کے تمام انبیاء علیہم السلام اور نبی اکرم ﷺ کے ہادی ہونے کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَهِدَايَةُ اللَّهِ لِلْإِنْسَانِ عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ))

الْإِنْسَانِي: الْهِدَايَةُ الَّتِي جُعِلَ لِلنَّاسِ بِدُعَائِهِ إِيَّاهُمْ عَلَى السُّنَّةِ
الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْزَالِ الْقُرْآنِ وَنَحْوِ ذَلِكَ وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى
وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا))

”اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی ہدایت چار صورتوں میں ہے:

(مذکورہ چار اقسام میں سے) دوسری قسم انبیاء علیہم السلام کی زبان کے ذریعے اور نزولِ قرآن کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف مدعو کرنے کے لیے، اور اس فرمانِ الہی سے بھی ہدایت والی آیت کریمہ: ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ﴾ اور ہم نے انہیں صبر کرنے کی وجہ سے اپنے احکام کی طرف رہنمائی کرنے والا بنادیا۔“ سے بھی یہی مراد ہے۔“

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی وضاحت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نبی اور رسول کی ذمہ داری ہدایت دینا نہیں، بلکہ راہِ ہدایت کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنْ تَحَرَّضْ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ

مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٣٥﴾﴾ (النحل: ۳۷)

”اگر آپ ان کی ہدایت کی حرص رکھتے ہیں، تو اللہ جسے گمراہ کر دے اس کو ہدایت نہیں دیتا، اور نہ ہی ان کا کوئی مددگار ہے۔“

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((وَقَوْلُهُ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ﴾ أَيْ شَأْنُهُ وَأَمْرُهُ أَنَّهُ مَا شَاءَ كَانَ، وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ فَلِهَذَا قَالَ: ﴿لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ﴾ أَيْ مَنْ أَضَلَّهُ، فَمَنْ ذَا الَّذِي يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ؟ أَيْ لَا أَحَدٌ ﴿وَمَا لَهُمْ نُصِيرِينَ﴾ أَيْ يَنْقُذُونَهُمْ مِنْ عَذَابِهِ وَوِثَاقِهِ.)) ❶

”﴿فَإِنَّ اللَّهَ﴾ یعنی اس کا معاملہ اور شان یہ ہے کہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا اسی لیے فرمایا ﴿لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ﴾ یعنی جسے وہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، تو پھر کون ہے جو اللہ کے علاوہ ہدایت دے سکے؟ کوئی نہیں (اور نہیں کوئی ان کی مدد کرنے والا) یعنی ان کو اللہ کے عذاب اور پکڑ سے بچانے والا۔“

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی توضیح سے آیت کریمہ کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اور کوئی ابہام باقی نہیں رہتا کہ ہدایت عطا کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ مزید وضاحت کے لیے اس آیت کریمہ پر غور کیجیے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝﴾

(النحل: ۳۶)

”اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جس کا مقصد بعثت یہ ہے) کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو، تو ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت

دی، اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

((ثُمَّ أَخْبَرَ اللَّهُ تَعَالَى رَسُولَهُ ﷺ إِنَّ حِرْصَهُ عَلَى هِدَايَتِهِمْ لَا يَنْفَعُهُمْ إِذَا كَانَ اللَّهُ قَدْ أَرَادَ إِضْلَالَهُمْ.)) ❶

”اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خبر دار فرمایا ہے کہ آپ کا ان کی ہدایت کی حرص رکھنا ان کے لیے فائدہ مند نہیں ہو سکتا، جب کہ اللہ تعالیٰ انھیں گمراہی پر (قائم) رکھنا چاہتا ہے۔“

ایک دوسرے مقام پر رب العالمین نے اس مسئلے کی وضاحت بایں الفاظ فرمائی ہے:

﴿إِنَّكَ لَا يَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝٥٦﴾ (القصص: ۵۶)

”بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور ہدایت چاہنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔“

اس آیت کریمہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ سید مسیب بن حزن مخزومی رحمہ اللہ سے بیان فرماتے ہیں کہ:

”جب آپ کے چچا ابوطالب کی وفات کا وقت آیا، تو ان کے پاس رسول اکرم ﷺ تشریف لائے، جبکہ ابوطالب کے پاس ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی، امیہ بن میسرہ کو پایا۔ نبی رحمت ﷺ نے (ابوطالب سے) کہا، چچا جان! اپنی زبان سے ”لا الہ الا اللہ“ کہہ دو، میں اللہ کے حضور اس کلمے کو آپ کے حق میں حجت بنا کر پیش کر دوں گا، پاس بیٹھے ابو جہل اور عبد اللہ بن امیہ، ہادی عالم ﷺ کی گفتگو سن کر ابوطالب سے کہنے لگے: ابوطالب! (مرتے وقت)

آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دو گے؟ بہر حال رسول اکرم ﷺ ابوطالب کی وفات سے پہلے بار بار انھیں کلمہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ انہیں آباء و اجداد کے دین پر قائم رہنے کے لیے کہتے، اور کلمہ توحید پڑھنے سے اسے روکتے، یہاں تک کہ آخر کلمہ اس کی زبان سے یہی نکلا کہ میں یہ کلمہ نہیں پڑھتا اور میں عبدالمطلب کے دین پر مرنا چاہتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ کہنے لگے: جب تک مجھے منع نہ کیا جائے گا، میں ابوطالب کے لیے بخشش کی دعا کرتا رہوں گا۔

اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ﴾ (التوبة: ۱۱۳)

”کسی نبی اور اہل ایمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرے، اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہو۔“

جب کہ ابوطالب کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾

(القصص: ۵۶)

”بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے

ہدایت دیتا ہے۔“ ❶

مزید برآں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

((يَقُولُ تَعَالَىٰ لِرَسُولِهِ ﷺ إِنَّكَ يَا مُحَمَّدُ! ﴿لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ أَيْ لَيْسَ عَلَيْكَ ذَلِكَ، إِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلَهُ الْحُكْمُ الْبَالِغَةُ وَالْحُجَّةُ الدَّامِغَةُ، كَمَا قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ وَقَالَ

تَعَالٰی: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ وَهَذِهِ الْآيَةُ
 أَخَصُّ مِنْ هَذَا كُلِّهِ فَإِنَّهُ قَالَ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ
 اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ اِیْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ
 يَسْتَحِقُّ الْهَدَايَةَ مِمَّنْ يَسْتَحِقُّ الْغَوَاةَ. ((❶

”اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ سے مخاطب ہے، اے محمد! (بے شک آپ جسے
 چاہتے ہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے) یعنی آپ ﷺ کی ذمہ داری ہدایت
 دینا نہیں، بلکہ تبلیغ کرنا ہے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، اور اس کے لیے
 بلیغ حکمت اور حجت قطعہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ان لوگوں کی
 ہدایت آپ کے ذمے نہیں، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“ اور ارشاد
 ہے: ”آپ ﷺ کے حرص رکھنے کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں
 ہیں۔“ اور یہ آیت ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ ان تمام آیات سے
 خصوصیت کی حامل ہے۔ اس میں ارشاد ہے: ”جسے آپ چاہتے ہیں اسے
 ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ
 ہدایت حاصل کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔“ یعنی وہ بہتر جانتا ہے کون ہدایت
 کا مستحق ہے اور کون سرکشی (اور گمراہی) کا حقدار؟“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

- 1: نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری (ایصال الی المطلوب) راہ ہدایت پر گامزن کرنا نہیں،
 بلکہ (ارشاد الی المطلوب) صراطِ مستقیم کی تبلیغ کرنا ہے۔
- 2: (ایصال الی المطلوب) راہ ہدایت پر گامزن کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔
- 3: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔
- 4: اللہ تعالیٰ کا یہ قانون (جسے چاہنا ہدایت دینا، اور جسے چاہنا گمراہ کرنا) بالکل انصاف پر

مبنی ہے، کیوں کہ اللہ رب العزت انسان کی حالت و کیفیت کو خوب اچھی طرح سمجھنے والا، اور عالم الغیب ہے۔ واللہ اعلم!

خلاصہ کلام:

- حصول ہدایت کے لیے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف لازمی جزو ہے، جس کے بغیر حصول ہدایت مشکل، بلکہ ناممکن دکھائی دیتی ہے۔
- ہدایت کی توفیق دینا اور نہ دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اختیار میں نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

10- قربانی:

دورِ جاہلیت میں مشرکین مکہ جب اپنے بتوں کے نام سے جانور ذبح کرتے، تو اس کا گوشت ان بتوں پر ڈال دیا کرتے، اور ان پر اس کا خون چھڑکتے۔ اللہ عظیم و برتر نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے نام سے ہدی یا قربانی کا جانور اس لیے قربان کرتے ہو کہ وہ تمہارا خالق و رازق ہے، اس کا خون اور گوشت اللہ کو قطعی نہیں پہنچتا، کیونکہ وہ تو ہر چیز سے بے پرواہ اور بے نیاز ہے، اور وہ تو تمہاری نیت، تمہارے اخلاص اور تقویٰ کو دیکھتا ہے کہ کیا تم نے اس کی رضا اور خوشنودی کی خاطر یہ کام کیا ہے؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾

(الحج: ۳۷)

”اللہ کو نہ تو ان ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے، اور نہ ان کا خون، لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔“

قربانی کا معنی:

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ قربانی کا معنی لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((وَالْقُرْبَانُ: مَا يَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللَّهِ مَصَارِفُ التَّعَارُفِ اسْمًا لِلنَّسِيكَةِ الَّتِي هِيَ الذَّبِيحَةُ وَجَمْعُهُ، قَرَابِينُ.))

”ہر وہ عمل جو حصول قرب الہی کے لیے کیا جائے قربانی ہے۔ لیکن عرف عام میں کسی جانور کو ذبح کرنے کا نام قربانی ہے۔ اس کی جمع (قراہین) ہے۔

قربانی کا مقصد:

جیسا کہ معنوی اعتبار سے بھی ظاہر ہے کہ ایسا عمل جو حصول قرب الہی کے لیے کیا جائے وہ قربانی ہے۔ قرآن نے قربانی کے مقصد کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَاؤها وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۷﴾﴾

(الحج: ۳۷)

”اللہ کو ان قربانیوں کے نہ تو گوشت پہنچتے ہیں، اور نہ ہی خون، بلکہ اسے تو تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع و فرمانبردار کر دیا ہے۔ تاکہ تم اس کی رہنمائی کا شکر بجالاتے ہوئے تکبیر پڑھو، اور اے نبی! نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔“

علامہ آلوسی رحمہ اللہ ”امام مجاہد رحمہ اللہ“ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

”مسلمانوں نے بھی مشرکین کے اس فعل کی تقلید کرتے ہوئے تعظیم کعبہ اور قرب الہی کے حصول کی خاطر یہی (مشرکین والا) عمل کرنے کا ارادہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔“ ①

مزید لکھتے ہیں:

((لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَاؤها)) اَيُّ لَنْ يُصِيبَ رِضَا اللَّهِ تَعَالَى اللُّحُومُ الْمُتَصَدِّقُ بِهَا وَلَا الدِّمَاءُ الْمُهِرَاقَةُ بِالنَّحْرِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا لُحُومٌ وَدِمَاءٌ. ﴿وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾ وَلَكِنْ يُصِيبُهُ مَا يَصْحَبُ ذَلِكَ مِنْ تَقْوَىٰ قُلُوبِكُمُ الَّتِي تَدْعُوَكُمْ إِلَىٰ تَعْظِيمِهِ وَالتَّقَرُّبِ لَهُ سُبْحَانَهُ وَالْإِخْلَاصُ لَهُ عَزَّ وَجَلَّ. ②

” (اللہ تعالیٰ کو ان کی قربانیوں کے نہ تو گوشت پہنچتے ہیں، اور نہ ہی خون) یعنی رضائے الہی فقط صدقہ دیئے گئے گوشت اور بہائے گئے خون سے حاصل نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ تو گوشت اور خون ہے (لیکن اس کو تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے) یعنی اسے ان کے ساتھ شامل تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے، جو تمہیں اس کی تعظیم و تقرب اور اخلاص کی دعوت دیتے ہیں۔“

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات قربانی وغیرہ اس وقت تک درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی، جب تک اس میں تقویٰ اور خوفِ الہی شامل نہ کیا جائے۔

11۔ فرضیت تقویٰ کو پیش نظر رکھنا:

جس طرح رب العالمین نے قرآن حکیم میں متعدد آیات کریمہ میں اپنے بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ نے بھی کئی احادیث میں تقویٰ کی فرضیت بیان فرمائی ہے۔ اس بات کو سمجھنا اور یاد رکھنا ایمان دار شخص کو متقی بنانے میں انتہائی اہم کردار ادا کرے گا، کیوں کہ بندہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے حکم کی فوری تعمیل کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ رب العالمین نے اہل ایمان کے بارے میں خود فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُبِينًا﴾ (الأحزاب: ۳۶)

”اللہ اور اس کے رسول کے کسی بات کا فیصلہ کرنے کے بعد کسی ایماندار مرد اور ایمان والی عورت کے لیے کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔“

12۔ فوائد تقویٰ کو پیش نظر رکھنا:

انسان کی فطرت ہے کہ جس طرح وہ، مفید چیز کو پسند کرتا ہے، اور اس کے حصول کی

طرف راغب ہوتا ہے۔ اسی طرح تکلیف دہ چیز کو ناپسند کرتا، اور اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، تقویٰ کے دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والے کتنے ہی فوائد و ثمرات ہیں۔

اگر تقویٰ کے یہ سب فوائد و ثمرات انسان کی نگاہوں کے سامنے رہیں تو وہ کیوں کر تقویٰ سے منہ موڑ کر کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوگا؟

تو جو شخص تقویٰ کے فوائد و ثمرات کو جاننا، سمجھنا اور یاد رکھنا چاہے وہ کثرت اور توجہ سے قرآن و سنت کا مطالعہ جاری رکھے، کیونکہ ان دونوں میں اس بارے میں بہت مواد موجود ہے۔

13۔ تقدیر پر ایمان رکھنا:

انسان کو متقی بنانے والی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے، کہ وہ تقدیر پر ایمان لائے۔ سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اسی بات کی بوقت موت اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی۔ امام ترمذی نے عطاء رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:

”میری ملاقات صحابی رسول ﷺ سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے

ولید سے ہوئی، تو میں نے ان سے پوچھا:

”آپ کے والد کی موت کے وقت کیا وصیت تھی؟“

انہوں نے جواب دیا:

”میرے والد گرامی نے مجھے بلایا اور فرمایا:

((يَا بُنَيَّ! اتَّقِ اللَّهَ! وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَنْ تَتَّقِيَ اللَّهَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِاللَّهِ،

وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ كُلِّهِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ .)) ❶

”اے میرے چھوٹے بیٹے! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور اچھی طرح سمجھ لو کہ تم اللہ

تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر اور تقدیر پر خواہ وہ اچھی ہو یا بری متقی نہیں بن سکتے۔“

❶ سنن ترمذی، ابواب القدر، رقم: ۲۱۵۵۔ سلسلۃ الصحیحۃ، رقم: ۱۳۳۔

14۔ مشکوک چیزوں کو ترک کرنا:

تقویٰ تک پہنچانے والے امور میں سے ایک یہ ہے، کہ بندہ شک و شبہ والی چیز سے دور ہو جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوَى حَتَّى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ)) ❶

”بندہ تقویٰ کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ وہ سینے میں کھٹکنے والی چیز کو نہ چھوڑ دے۔“

15۔ عدل و انصاف کرنا:

رب العالمین نے عدل کو بھی باعث تقویٰ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ❷

(المائدہ: ۸)

”عدل کیا کرو، وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، بے

شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو پوری طرح باخبر ہے۔“

شیخ سعدی اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

”تم جس قدر عدل کرنے کی حرص کرو گے، اور اس کے مطابق عمل کرنے کی

کوشش کرو گے، تمہارے دل تقویٰ کے اسی قدر زیادہ قریب ہوں گے، عدل کے

مکمل ہونے پر تقویٰ بھی کامل ہو جائے گا۔“

16۔ عبادت کرنا:

اللہ عزوجل نے اپنی عبادت کو تقویٰ کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ❸ (البقرہ: ۲۱)

❶ صحیح البخاری، کتاب الإيمان، باب قول النبی ﷺ: ”بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ مُعَلِّقًا

”اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تمہارے پہلے لوگوں کو

پیدا فرمایا، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“

شیخ سعدی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

”ارشادِ باری تعالیٰ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾: میں اس بات کا احتمال ہے، کہ معنی یہ ہو:

”بلاشبہ تم جب صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے، تو اس کی وجہ سے ان کی ناراضی

اور عذاب سے بچ جاؤ گے، کیونکہ تم نے اس سے بچاؤ کا سبب اختیار کیا ہے۔“

اور اس معنی کا احتمال بھی موجود ہے، کہ: ”جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے، تو

تم تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ ہو کر متقیوں میں شامل ہو جاؤ گے۔“

بہر حال دونوں معانی درست ہیں، اور وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم

ہیں، کیونکہ صحیح معنوں میں عبادت کرنے والا متقیوں میں سے ہو جاتا ہے، اور جو

کوئی متقیوں میں سے ہو گیا، اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضی سے نجات

میسر آ جاتی ہے۔“ (تفسیر السعدی، ص: ۲۸)

17۔ اہل تقویٰ کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا:

عام طور پر عمل کا اثر بات سے زیادہ ہوتا ہے۔ تو جو شخص اہل تقویٰ کے مقدس گروہ میں شامل

ہونا چاہے، وہ اہل تقویٰ کی مبارک سیرتوں کا مسلسل مطالعہ اور تذکرہ کرتا رہے، اور انہیں اپنی

نگاہوں کے سامنے رکھے، اور ساری کائنات کے متقیوں کے امام ہمارے نبی کریم ﷺ، پھر دیگر

انبیاء علیہم السلام، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی سیرتوں کو پیش نظر رکھے۔

رحمت الہی سے اُمید واثق ہے، کہ اس عمل سے انسان کے دل میں راہ تقویٰ پر آنے کے

لیے جذبہ صادقہ موجزن ہوگا، اور اس بارے میں ذوق و شوق میں اضافہ ہوگا۔

18۔ سبیل اللہ کی اتباع اور دیگر راہوں کو ترک کرنا:

رب العالمین کے اہل اور قطعی ضابطوں میں سے ایک یہ ہے، کہ جو شخص اس کی راہ کی

اتباع کرے اور دیگر راہوں کو چھوڑ دے، وہ اس کو متقی لوگوں میں شامل ہونے کی سعادت سے بہرہ ور فرمادے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّيْكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۵۳﴾﴾

(الانعام: ۱۵۳)

”اور بلاشبہ یہ میری سیدھی راہ ہے، سو اس پر چلو، اور دوسری راہوں پر مت چلو، وہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس بات کا اللہ نے تمہیں تاکید کی حکم دیا ہے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“

”سبیل اللہ“ کی اتباع میں اطاعتِ رسول اور اتباعِ رسول ﷺ بھی آجاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ﴾ (النساء: ۸۰)

”جس نے رسول کی اطاعت کی، پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اس لیے قرار دیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ وحی الہی کے بغیر تکلم نہیں فرمایا کرتے تھے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ﴾ (النجم: ۳-۴)

”اور وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں۔ وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اتاری جاتی ہے۔“



تقویٰ کے فوائد و ثمرات

گذشتہ صفحات میں ہم تقویٰ کے معنی، مفہوم اور اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔

آئندہ سطور میں ہم تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے والی خیر و برکات کے بارے میں بیان کریں گے۔

چونکہ تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں نازل ہونے والی برکات کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے، لہذا ہم اپنی اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

1: دنیا میں تقویٰ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات۔

2: آخرت میں حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات۔

(1) دنیا میں تقویٰ کے فوائد و ثمرات:

پہلا فائدہ:..... معاملات میں آسانی:

تقویٰ سے حاصل ہونے والی برکات میں سے ایک عظیم برکت یہ ہے کہ اللہ رب العزت متقی شخص کے لیے معاملات میں آسانی پیدا فرمادیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝﴾ (الطَّلَاق : ۴)

”اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے اس کے معاملات میں آسانی

پیدا فرمادے گا۔“

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر بایں الفاظ فرماتے ہیں:

((قَالَ عَطَاءٌ: يَسْهَلُ اللَّهُ عَلَيْهِ أَمْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.)) ❶

”عطاء نے کہا کہ؛ اللہ تعالیٰ اس کے دنیا اور آخرت کے معاملات کو آسان فرمادیں گے۔“

بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ بھی کہا ہے کہ نیکی کے عمل کرنا اور برائی سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

دوسرا فائدہ:..... دشمنوں کی کارستانیوں سے نجات:

اہل تقویٰ کے لیے انعاماتِ الہی میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو متقین کے لیے دشمنوں کی گھناؤنی چالوں اور سازشوں سے بچنے کے لیے آلہ کار بتلایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۰)

”اور اگر تم صبر کرو، اور تقویٰ اختیار کرو تو ان (دشمنوں) کی کوئی چال تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ بے شک اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے۔“

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((مَعْنَى الْآيَةِ: إِنَّ كُلَّ مَنْ صَبَرَ عَلَىٰ آدَاءِ أَوَامِرِ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَاتَّقَىٰ كُلَّ مَا نَهَىٰ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ فِي حِفْظِ اللَّهِ فَلَا يَضُرُّهُ كَيْدُ الْكَافِرِينَ وَلَا حِيلُ الْمُحْتَالِينَ.))

وَتَحْقِيقُ الْكَلَامِ فِي ذَلِكَ هُوَ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ إِنَّمَا خَلَقَ الْخَلْقَ لِعِبَادَتِهِ كَمَا قَالَ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

فَمَنْ وَفَىٰ بِعَهْدِ الْعَبْدِيَّةِ فِي ذَٰلِكَ فَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَكْرَامُ مَنْ أَوْ لَا
يَعْنِي بِعَهْدِ الرِّبْوَیَّةِ فِي حِفْظِهِ عَنِ الْآفَاتِ وَالْمَخَافَاتِ ، وَإِلَيْهِ
الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ إِشَارَةُ إِلَى أَنَّهُ يُوَصِّلُ إِلَيْهِ كُلَّ مَا يَسْرُهُ ،
وَقَالَ بَعْضُ الْحُكَمَاءِ: إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَكْتِبَ مَنْ يَحْسُدُنَا فَاجْتَهِدْ
فِي إِحْتِسَابِ الْفَضَائِلِ .)) ❶

”مذکورہ بالا آیت کا معنی ہے کہ ہر وہ آدمی جو احکامِ الہی کی ادائیگی میں صبر کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہر چیز سے دور رہتا ہے، وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے (جس کے نتیجے میں) کافروں کی کوئی چال اور حیلہ سازوں کا کوئی حیلہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور حقیقی بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے)، پس جو شخص عبادت و بندگی والے عہد کو پورا کرتا ہے، تو رب العالمین کی شان کے لائق نہیں کہ وہ رب ہونے کے ناطے ایسا کرنے والے کو آفات اور خوفناکیوں سے محفوظ نہ فرمائے۔ اس فرمانِ الہی: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾..... ”اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی کوئی راہ نکال دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔“ میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت (اپنے بندے کو) ہر وہ چیز عطا فرماتا ہے جو اس کے لیے خوش کن ہو۔ اور کسی ”دانا“ کا قول ہے کہ جب حاسد (مخالف) کو زیر کرنا ہو، تو

اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یعنی اس کے حسد پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے
نظر انداز کر دو۔“

علامہ زنجشیری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

((وَأَنْ تَصْبِرُوا عَلَى تَكَالِيفِ الدِّينِ وَمَشَاقِّهِ، وَتَتَّقُوا اللَّهَ فِي اجْتِنَابِكُمْ مَحَارِمَهُ كُنْتُمْ فِي كَنْفِ اللَّهِ فَلَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ)) ①
”اور اگر تم دینی معاملات میں آنے والی سختیوں اور تکلیفوں پر صبر کرو گے۔ اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرو گے۔ تو تم اللہ کی حفاظت میں آ جاؤ گے، جس کے نتیجے میں تمہارے دشمنوں کی کوئی چال تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔“

مزید لکھتے ہیں:

((وَهَذَا تَعْلِيمٌ مِّنَ اللَّهِ، وَارْشَادٌ إِلَى أَنْ يُسْتَعَانَ عَلَى كَيْدِ الْعَدُوِّ بِالصَّبْرِ وَالتَّقْوَى.)) ②
”یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس بات کی طرف تعلیم اور رہنمائی ہے کہ دشمن کی چالوں سے بچنے کے لیے صبر اور تقویٰ کے ساتھ مدد طلب کی جائے۔“
حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((وَأِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۖ الْآيَةُ- يُرْسِدُهُمْ تَعَالَى إِلَى السَّلَامَةِ مِنْ شَرِّ الْأَشْرَارِ، وَكَيْدِ الْفُجَّارِ بِإِسْنَعِمَالِ الصَّبْرِ، وَالتَّقْوَى، وَالتَّوَكُّلِ عَلَى اللَّهِ الَّذِي مُحِيطٌ بِأَعْدَاءِهِمْ فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ لَهُمْ إِلَّا بِهِ. وَهُوَ الَّذِي مَا شَاءَ كَانَ وَمَا لَمْ

① تفسیر الکشاف: ۱/ ۳۴۶.

② تفسیر الکشاف، للزمخشري: ۱/ ۳۴۶.

يَسْأَلُمْ يَكُنْ، وَلَا يَقَعُ فِي الْوُجُودِ شَيْءٌ إِلَّا بِتَقْدِيرِهِ وَمَشِيئَتِهِ
وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ. ((❶

” (اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو گے، تو تمہیں ان کی کوئی حیلہ سازی نقصان نہیں پہنچا سکے گی) اس آیت میں اللہ تعالیٰ (صبر اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو) شریروں کے شر اور فاجروں کی حیلہ بازیوں سے، صبر، تقویٰ اور اللہ رب العزت پر توکل کر کے، حفاظت کے راستے بتا رہا ہے (وہ اللہ) جو ان کے دشمنوں کا احاطہ کرنے والا ہے، جس کے بغیر ان کا کوئی حیلہ اور طاقت نہیں ہے (اور اللہ) وہ ذات ہے کہ وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، نہیں ہوتا، جس کی منشاء اور مرضی کے بغیر دنیا میں واقعہ رونما نہیں ہوتا، جو اس پر توکل کرتا ہے وہ اس کو کافی ہو جاتا ہے۔“

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کے معنی کو یوں واضح فرماتے ہیں:

((لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۖ مِنَ الضَّرَرِ لَا كَثِيرًا وَلَا قَلِيلًا
بِبَرَكَةِ الصَّبْرِ وَالتَّقْوَىٰ لِكُونِهِمَا مِنْ مَحَاسِنِ الطَّاعَاتِ وَمَكَارِمِ
الْأَخْلَاقِ، وَمَنْ تَحَلَّىٰ بِذَلِكَ كَانَ فِي كَنَفِ اللَّهِ تَعَالَىٰ
وَحِمَايَتِهِ مَنْ أَنْ يَضُرَّهُ كَيْدٌ عَدُوٍّ.))

”اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ صبر اور تقویٰ کی برکت سے وہ تمہیں نہ تو کم نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور نہ زیادہ، کیوں کہ یہ بہترین اطاعت گزاری، اور اچھے اخلاق میں سے ہے۔ اور جو اپنے آپ کو ان دونوں چیزوں (صبر و تقویٰ) سے مزین و آراستہ کر لیتا ہے، تو وہ دشمن کی چالوں سے اللہ کی حفظ و امان میں آ جاتا ہے جو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔“ ❶

قارئین کرام غور کیجیے! اللہ رب العزت ہم سے دو چیزوں کا مطالبہ کر کے اس کے نتیجے میں کس قدر قیمتی انعام کا وعدہ کر رہا ہے، لیکن ہم ہیں کہ قرآن کو پڑھتے ہی نہیں، اگر پڑھیں بھی تو اسے سمجھ کر نہیں پڑھتے، اور اگر اس کے معانی و مفاہیم کو سمجھ بھی لیں تو ہمارے دماغوں پر جدت پسندی کا بھوت سوار ہو جاتا ہے، اور اللہ رب العزت کے کیے ہوئے وعدوں کو ہم افسانوں سے تعبیر کرتے ہوئے نظر انداز کر دیتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں ہم اللہ رب العالمین کی صدق بیانی کو چیلنج کر رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ (النساء: ۸۷)

”اور اللہ سے زیادہ سچی بات کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟“

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ (النساء: ۱۲۲)

”اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟“

رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حقیقی معنوں میں قرآن حکیم اور سنت مطہرہ پر ایمان لانے کی توفیق عنایت فرمائے۔

تیسرا افادہ:..... ایسی جگہ سے رزق کا ملنا جس کا انسان کو وہم و گمان بھی نہ ہو۔

اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے سے انسان کو رزق وہاں سے ملنے لگ جاتا ہے کہ جہاں سے

اسے گمان بھی نہیں ہوتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ (۵) وَيَزُفْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴿۶﴾

(الطلاق: ۲-۳)

”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے راستہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسے

ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔“

چوتھا فائدہ:..... غم و الم سے نجات کا ملنا:

تقویٰ اختیار کرنے کے فوائد و ثمرات میں سے ایک عظیم فائدہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت متقین کو بچنے والے مصائب و آلام سے نکلنے کی کوئی راہ نکال دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ (الطلاق: ۳)

”اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے لیے راہ نجات نکال دیتا ہے۔“

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو آدمی کوئی بھی کام کرے یا کسی بھی کام سے اللہ سے ڈرتے ہوئے رکا رہے، اللہ تعالیٰ (تقویٰ کو) اس کے لیے دنیا، اور آخرت کے غموں سے نکلنے کا ذریعہ بنادے گا، اور فائدہ عام ہونے کی نسبت سے یہی معنی زیادہ بہتر ہے۔“ ❶

یہاں پر موضوع کی مناسبت سے عین قرین قیاس ہوگا کہ ایک واقعہ سپردِ قرطاس کر دیا جائے جو عہدِ نبوی ﷺ میں رونما ہوا تھا۔

”سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا، میرا خیال ہے کہ وہ سیدنا عوف بن مالک انجمنی رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ آپ سے ہم کلام ہوئے، اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! فلاں قبیلے کے لوگوں نے اس رات ہم پر حملہ کیا ہے، جس میں وہ میرے بیٹے اور اونٹوں کو لے گئے ہیں، اور سیدنا عوف رضی اللہ عنہ یہ بات بتلا کر رونے لگے۔ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے دعا کرو (امید ہے کہ کوئی راہ نکل آئے)۔ (چنانچہ سیدنا عوف بن

مالک رضی اللہ عنہ (اپنی بیوی کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ بتاؤ اللہ کے نبی ﷺ نے کیا مشورہ دیا ہے؟ تو انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو بیان فرمادی۔ چنانچہ وہ دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے ان کے بیٹے کو اور ان کے اونٹوں سے زیادہ اونٹوں کو لوٹا دیا تو (وہ خوشی سے) نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے، اور سارا قصہ کہہ سنایا، تو آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اور حمد و ثناء کے بعد لوگوں کو اللہ سے دعا کرنے اور اس کی طرف راغب ہونے کی تلقین کی، اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ❶

پانچواں فائدہ: برکات کا نزول:

تقویٰ اختیار کرنے کا ایک عظیم فائدہ رب العالمین کی جانب سے نزول برکات بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ ❷

(الاعراف: ۹۶)

”اور بے شک اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو ضرور ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلایا، پس ہم نے ان کے (برے) اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑا۔“

اس آیت کریمہ میں رب العالمین تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں ہر جانب سے

❶ مستدرک حاکم: ۲/ ۲۳۸، رقم! ۲۰۳۷۔ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث ”صحیح الاسناد“ ہے۔ سنن ابن ماجہ، رقم: ۴۱۴۸۔ بصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند کے راوی ثقات ہیں۔ مزید دیکھیں: دلائل النبوة، للبيهقي ۱/ ۱۰۶۔ الدر المنثور، للسيوطي ۶/ ۲۳۳-۲۳۴۔

نزولِ برکات کا وعدہ فرما رہا ہے۔

چھٹا فائدہ: اصلاحِ اعمال:

تقویٰ کے فوائدِ عظیمہ میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ ربّ العزت صاحبِ تقویٰ انسان کے اعمال کی اصلاح فرمادیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۰-۷۱)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ، اور سیدھی بات کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ ربّ العزت تمہارے اعمال کی اصلاح فرمادے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، اس نے حقیقت میں بڑی کامیابی کو پالیا۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

”اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ اس کا تقویٰ اختیار کریں، اور اللہ کی ایسے آدمی کی مانند عبادت کریں جو (دورانِ عبادت) گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، اور ایسی سیدھی اور درست بات کہیں، جس میں کوئی کج روی اور انحراف نہ ہو۔ اور ایسا کرنے کی صورت میں ان کو ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ان کے اعمال کی اصلاح فرمادے گا، اور مستقبل میں ہونے والے گناہوں سے توبہ کرنے کی طرف راغب فرمادے گا۔“ ①

چنانچہ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَقِيلَ إِصْلَاحُ الْأَعْمَالِ التَّوْفِيقُ فِي الْمَجِيءِ بِهَا صَالِحَةً

مَرْصِيَّةٌ . ((❶

”اصلاح اعمال سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العزت آئندہ صالح پسندیدہ اعمال کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔“

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے، تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں رب العالمین انسان کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔ اور جس خوش قسمت کو اللہ رب العالمین کی طرف سے اعمال صالحہ کی توفیق مل جائے، اس سے بڑھ کر خوش نصیب کون ہو سکتا ہے؟

ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال قبول کرتا ہے۔ گویا تقویٰ اختیار کرنے کا فائدہ یہ بھی ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کو شرف قبولیت بخش دیتا ہے۔

ساتواں فائدہ:.....حق و باطل میں تمیز:

تقویٰ اختیار کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت انسان کو حق اور باطل میں فرق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ❷﴾

(الأنفال: ۲۹)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں فیصلہ کرنے کی بصیرت عطا فرمائے گا، اور تمہاری خطاؤں کو مٹا کر تمہیں معاف فرمادے گا اور اللہ بہت فضل والا ہے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

((فَإِنَّ مَنْ اتَّقَى اللَّهَ بِفِعْلٍ أَوْ امْرِهِ وَتَرَكَ زَوَاجِرَهُ وَفَقَّ لِمَعْرِفَةِ

الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ .)) ❶

”جو شخص اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے احکام کو بجالائے گا، اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں کو ترک کر دے گا۔ اس کو اللہ رب العزت حق و باطل کے پہچاننے کی توفیق عطا فرمادیتا ہے۔“

امام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

((قَوْلُهُ ﴿وَيَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ وَالْمَعْنَى أَنَّهُ تَعَالَى يُفَرِّقُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْكُفَّارِ، وَلَمَّا كَانَ اللَّفْظُ مُطْلَقًا وَجَبَ حَمْلُهُ عَلَى جَمِيعِ الْفُرُوقِ الْحَاصِلَةِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَفَّارِ، فَنَقُولُ: هَذَا الْفُرْقَانُ إِمَّا أَنْ يُعْتَبَرَ فِي أَحْوَالِ الدُّنْيَا وَفِي أَحْوَالِ الْآخِرَةِ، إِمَّا فِي أَحْوَالِ الدُّنْيَا فَمَّا أَنْ يُعْتَبَرَ فِي أَحْوَالِ الْقُلُوبِ وَهِيَ الْأَحْوَالُ الْبَاطِنِيَّةُ أَوْ فِي الْأَحْوَالِ الظَّاهِرَةِ، إِمَّا فِي أَحْوَالِ الْقُلُوبِ فَأُمُورٌ .

أَحَدُهَا: أَنَّهُ تَعَالَى يَخْصُصُ الْمُؤْمِنِينَ بِالْهِدَايَةِ وَالْمَعْرِفَةِ .
وَتَانِيهَا: أَنَّهُ يَخْصُصُ قُلُوبَهُمْ وَصُدُورَهُمْ بِالْإِنْشِرَاحِ كَمَا قَالَ:
﴿فَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّن رَّبِّهِ﴾
وَتَالِثُهَا: أَنَّهُ يُزِيلُ الْغُلَّ وَالْحَقْدَ وَالْحَسَدَ عَنْ قُلُوبِهِمْ، وَيُزِيلُ الْمَكْرَ وَالْخِدَاعَ عَنْ صُدُورِهِمْ، مَعَ أَنَّ الْمُنَافِقَ وَالْكَافِرَ يَكُونُ قَلْبُهُ مَمْلُوءًا مِنْ هَذِهِ الْأَحْوَالِ الْخَسَلِيَّةِ الْخُلُوقِ الدَّمِيمَةِ .

وَالسَّبَبُ فِي حُصُولِ هَذِهِ الْأُمُورِ أَنَّ الْقَلْبَ إِذَا صَارَ مُشْرِقًا

❶ المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير، ص: ۵۳۵، طبع دار السلام، الرياض .

بِطَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى زَالَتْ عَنْهُ كُلُّ هَذِهِ الظُّلُمَاتِ لِأَنَّ مَعْرِفَةَ اللَّهِ نُورٌ، وَهَذِهِ الْأَخْلَاقُ ظُلُمَاتٌ وَإِذَا ظَهَرَ النُّورُ فَلَا بُدَّ مِنْ زَوَالِ الظُّلْمَةِ.

وَأَمَّا فِي الْأَحْوَالِ الظَّاهِرَةِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَخْصُ الْمُسْلِمِينَ بِالْعُلُوِّ وَالْفَتْحِ وَالنَّصْرِ وَالظُّفْرِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ وَكَمَا قَالَ: ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ وَأَمْرُ الْفَاسِقِ وَالْكَافِرِ بِالْعَكْسِ مِنْ ذَلِكَ. ❶

”وَيَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور کفار کے درمیان فرق واضح فرمادے گا۔

مطلق لفظ ہونے کی بناء پر اسے مومنین و کفار کے درمیان ہر قسم کے فرق پر محمول کرنا واجب ہے۔ لہذا یہ فرق یا تو دنیاوی احوال کے اعتبار سے ہوگا یا اخروی احوال کے اعتبار سے۔

دنیاوی اعتبار سے پھر احوالِ قلوب (دلوں) کے باطنی (حالات) کے اعتبار سے ہوگا، یا ظاہر احوال کے اعتبار سے۔

1: احوالِ قلوب (دلوں کے باطنی حالات) کے اعتبار سے یہ فرق کئی طرح سے ہو سکتا ہے۔

2: دلوں اور سینوں کو کشادہ کرنے میں مومنین کی تخصیص جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ﴾

”کیا پس جس شخص کے سینے کو اللہ رب العزت نے اسلام کے لیے کشادہ فرمادیا ہے، پس وہ اپنے رب کے نور پر ہے۔“

3: اللہ رب العزت ان کے سینوں سے دھوکہ اور حسد و بغض کو نکال دیتا ہے، اور مکر و

فریب کو ان کے سینوں سے زائل فرما دیتا ہے۔

جب کہ منافق و کافر کا دل ان تمام بری چیزوں سے بھرا ہوتا اور مذموم عادات سے اٹا ہوا ہوتا ہے۔

اور ان تمام چیزوں کے حصول کا سبب یہ ہے کہ جب دل اطاعت الہی میں مشغول ہو جاتا ہے، تو اس کے نتیجے میں یہ سارے کے سارے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، کیوں کہ رب العالمین کو پہچان لینا نور ہے۔ جب کہ یہ مذموم عادات اندھیرے ہیں۔ اور نور کے ظاہر ہونے کی صورت میں اندھیروں کا چھٹ جانا لازمی چیز ہے۔

اور ظاہری اعتبار سے فرق یہ ہے کہ رب العالمین نے کامیابی، نصرت، غلبہ اور فتح کو مومنین کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ﴾ ”غلبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے۔“ ایسے ہی ارشاد ہے: ﴿لِيُظْهِرَكَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ ”تا کہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب فرمادے۔“ جب کہ کافر و فاسق کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔“

امام رازی رحمہ اللہ کی مفصل کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں رب العالمین مومنین کو ہر اعتبار سے کفار اور اہل باطل سے میسر اور ممتاز فرما دیتا ہے، اور مومنین کے اندر کفار اور اہل باطل سے ہر ممکنہ فرق واضح نظر آئے گا۔

ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اہل ایمان کو بشارت دی گئی ہے کہ اگر وہ مال اور اولاد کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے، اور اپنی زندگی میں اللہ کے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کریں گے، تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت و عزت بٹھا دے گا، اور کوئی شخص ان کے اہل و عیال، مال و دولت اور عزت و ناموس پر

دست درازی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ بعض مفسرین نے ”فرقان“ کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نیک شہرت کو چہار دانگ عالم میں عام کر دے گا۔ اس کا معنی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں حق و باطل کی تمیز دے گا، اور شبہات سے دور رکھے گا۔ سدی نے اس کا معنی ”نجات“ بتایا ہے، اللہ تعالیٰ اسے کامیابی سے ہمکنار کرے گا اور دنیا کی مصیبتوں سے نجات دے گا۔ جیسا کہ اللہ نے سورۃ طلاق آیت (۲) میں فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝﴾ (الطلاق: ۲)

”جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے راستے نکالے گا۔“

آٹھواں فائدہ:..... گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت اور خطاؤں کی پردہ پوشی: دنیا میں اہل تقویٰ پر رب العالمین کی جانب سے نازل ہونے والے انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ رب العالمین نے تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں گناہوں کی بخشش اور معافی کا اعلان فرمادیا ہے، اور اس کے ساتھ ان گناہوں کی پردہ پوشی کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ جن کا وہ مرتکب ہوا تھا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝﴾ (۲۹)

(الأنفال: ۲۹)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈر جاؤ گے تو اللہ تمہیں فیصلے کی قوت عطا فرمائے گا، اور تمہاری خطاؤں کو مٹا کر تمہیں معاف فرمادے گا۔ اور اللہ بہت فضل والا ہے۔“

علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے اس حصے ﴿وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ کا

مفہوم ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں:

((وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ اَي يَسْتُرْهَا حَتَّى تَكُونَ غَيْرَ ظَاهِرَةً ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ مَا افْتَرَقْتُمْ مِنَ الذُّنُوبِ، وَقَدْ قِيلَ: إِنَّ الْمُرَادَ بِالسَّيِّئَاتِ: الصَّغَائِرُ وَبِالذُّنُوبِ الَّتِي تُغْفَرُ، الْكَبَائِرُ، وَقِيلَ: الْمَعْنَى أَنَّهُ يَغْفِرُ لَهُمْ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الذُّنُوبِ وَمَا تَأَخَّرَ.)) ❶

”(اور تمہاری خطاؤں کو مٹا دے گا) یعنی ان کی پردہ پوشی فرمادے گا، یہاں تک کہ وہ (کسی پر) ظاہر نہیں ہو سکیں گے۔ (اور تمہیں بخش دے گا۔) یعنی جو بھی تم نے گناہ کیے ہیں (سب کے سب معاف فرمادے گا) ایک قول ہے کہ سیئات سے مراد صغیرہ گناہ، اور وہ گناہ جن کے بخشے جانے کا تذکرہ ہے، وہ کبیرہ گناہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ رب العزت ان کے گزشتہ اور آئندہ تمام کے تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔“

علامہ خازن رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

((وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ يَعْنِي وَيَمْحُ عَنْكُمْ مَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوبِكُمْ ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ يَعْنِي وَيَسْتُرْ عَلَيْكُمْ بِأَن لَّا يَفْضَحَكُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ.))

”(وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ کے معنی ہیں تمہارے گزشتہ گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ اور ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے گناہوں کی اس طرح پردہ پوشی فرمائے گا کہ دنیا و آخرت میں تمہیں رسوائی سے محفوظ فرمالے گا۔“

قارئین کرام غور کیجیے! تقویٰ اختیار کرنے سے دنیا میں کس قدر انعاماتِ الہیہ کی بارش برتی ہے، رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، مصائب و آلام آنے کے باوجود دل اطمینان کی دولت

سے مال مال ہوتا ہے، مصائب اور تکالیف سے نجات ملتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رب العالمین، مالک یوم الدین، رحیم بالموئین کی رضا اور خوشنودی کے بادل ہمہ وقت متقین کے سر پر سایہ فگن رہتے ہیں۔ اور پھر اس خوش نصیب کی خوش بختی کا اندازہ لگائیے، جس کے گناہوں کی معافی کا اعلان دنیا میں ہی فرما دیا جائے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَّقِينَ .
نواں فائدہ: دنیا میں افضل ترین انسان ہونے کی گارنٹی:

انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز سے معزز تر بنانے کی کوشش کرتا ہے، افضل سے افضل تر بننے کی جدوجہد میں مگن رہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایسے کام کرتا ہے، جن کے کرنے سے لوگوں میں اس کا مقام و مرتبہ دوبالا ہو سکے۔ ہر ممکن ایسے فعل سے گریز کرتا ہے، جس سے لوگوں کے درمیان اس کے مقام و مرتبہ پر برے اثرات مرتب ہوں۔

اللہ رب العزت متقین کو دنیا کا معزز ترین انسان قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾﴾

(الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد و عورت سے پیدا کیا، اور ایک دوسرے کے تعارف کے لیے تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ آدمی ہے، جو سب سے زیادہ (اللہ سے) ڈرنے والا ہو۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے، خوب خبر رکھنے والا ہے۔“

اور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ”حجۃ الوداع“ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَىٰ عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَىٰ عَرَبِيٍّ، وَلَا

أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى . ❶

”اے لوگو! تمہارا رب ایک (اللہ) ہے، اور تم سب کا باپ بھی ایک (سیدنا آدم علیہ السلام) ہے۔ خبردار! تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی سیاہ کو سرخ پر اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت حاصل ہے، مگر تقویٰ کے ساتھ۔“

دسواں فائدہ:..... اولاد کی حفاظت:

تقویٰ کے فوائد و ثمرات میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ رب العالمین اس کی برکت سے انسان کی اولاد کی حفاظت بھی فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهٖمْ ۚ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝۹﴾ (النساء: ۹)

”ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد (نخے منھے بچے) چھوڑ جائیں، جن کے ضائع ہونے کا انھیں خطرہ ہو، تو ان لوگوں کو چاہیے کہ اللہ سے ڈر جائیں اور سیدھی سیدھی بات کیا کریں۔“

اس آیت کریمہ پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ والدین کے دلوں میں خوفِ الہی نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولاد کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آباء و اجداد کا تقویٰ نسلوں کی حفاظت کرتا ہے۔

جیسا کہ ”سورۃ الکہف“ کی یہ آیت کریمہ اس کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا

❶ مسند أحمد: ۵ / ۴۱۱، رقم: ۲۳۴۸۹۔ شیخ شعب نے اسے ”صحیح الاسناد“ کہا ہے۔

كَذَٰهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ (الكهف: ۸۲)

”اور دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس میں شہر کے دو یتیم بچے ہیں، جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا، تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آکر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں۔ میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی، جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔“

محترم قارئین کرام! یہاں تک آپ دنیا میں حاصل ہونے والے، تقویٰ کے دس فوائد پڑھ چکے ہیں۔ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ فَلِلَّهِ الْحَمْدُ۔

اب ہم آخرت میں تقویٰ اختیار کرنے سے حاصل ہونے والے ثمرات اور فوائد کو قرآن و سنت سے ذکر کرتے ہیں۔

(2) آخرت میں حاصل ہونے والے تقویٰ کے فوائد و ثمرات:

پہلا فائدہ: اچھا انجام:

قرآن حکیم میں بار بار اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ بہترین انجام کا صرف متقین کے لیے ہے۔ ان میں سے چند ایک آیات کریمہ پیش خدمت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعُلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (القصص: ۸۳)

”یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کر دیتے ہیں، جو زمین میں نہ تو بڑائی کی چاہت رکھتے ہیں اور نہ ہی فساد کرتے ہیں۔ اور بہترین انجام متقین کے لیے ہے۔“

جب فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر لیا، اور سیدنا

موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کی خبر ملی تو انھوں نے اپنی قوم کو رجوع الی اللہ، اس سے مدد مانگنے، اور اس پر بھروسہ کرنے اور صبر کرنے کی نصیحت فرمائی، کیونکہ ہر حال میں مومن اور متقی کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کامل اور مکمل یقین کے ساتھ کہ جس کا مددگار رب العالمین ہوتا ہے، اس کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ بشارت بھی دی کہ بالآخر غلبہ تمہیں ہی حاصل ہوگا، اور آخرت کی کامیابی متقین کے لیے ہے۔ چنانچہ اللہ رب العالمین نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۸﴾﴾

(الأعراف: ۱۲۸)

”موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا، اللہ سے مدد مانگو، اور صبر کرو۔ بے شک یہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور بہترین انجام متقین کے لیے ہے۔“

ڈاکٹر فضل الہی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

”ارشاد باری تعالیٰ ﴿الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾

”انجام کار متقیوں کے لیے ہے“

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے تائید الہی ہے۔ اور دنیا و آخرت میں انجام کار قابل تعریف ہوتا ہے۔ ❶

علامہ زنجشیری رحمہ اللہ نے لکھا ہے؛

”اس بات کی خوشخبری ہے کہ قابل تعریف انجام کار متقیوں کا ہی ہے۔“ ❷

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

”ارشادِ باری تعالیٰ ﴿لِلْمُتَّقِينَ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر وہ آدمی جو اللہ رب العالمین کا تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ رب العالمین دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرماتے ہیں۔“
دوسرا فائدہ:..... جہنم سے نجات:

تقویٰ کے فوائد میں سے آخرت میں حاصل ہونے والا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ رب العالمین متقین کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ۝٤١ ثُمَّ نُنْزِلُهَا عَلَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝٤٢﴾ (مریم: ۷۱-۷۲)

”اور تم میں سے ہر شخص اس جہنم پر سے ضرور گزرے گا، یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔ پھر ہم تقویٰ اختیار کرنے والوں کو نجات دیں گے۔ اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل گرا کر اس میں چھوڑ دیں گے۔“

یہاں پر جہنم کے اوپر سے گزرنے سے مراد پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے۔ ❶

تیسرا فائدہ:..... عرشِ الہی کا سایہ:

تقویٰ اختیار کرنے کے عظیم ترین فوائد ثمرات میں سے ایک عظیم فائدہ یہ بھی ہے کہ روزِ قیامت جب کوئی سایہ نہیں ہوگا، صرف عرشِ الہی کا سایہ ہوگا تو عرشِ الہی کا سایہ پانے والے خوش نصیبوں میں متقین بھی شامل ہوں گے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالَ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ.)) ❷

❷ صحیح البخاری، کتاب الأذان، رقم: ۶۶۰.

❶ تفسیر ابن کثیر: ۱۴۸ / ۳.

”سات خوش نصیب وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن (اپنے عرش کا) سایہ نصیب فرمائے گا، جب اس کے (عرش کے) علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ان میں سے ایک آدمی وہ ہے جس کو حسب و نسب والی (خاندانی) خوبصورت عورت دعوت گناہ دیتی ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور ایک وہ آدمی ہے جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو خوفِ الہی کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔“

قارئین کرام! غور کیجیے کہ جس دن نفسا نفسی کا عالم ہوگا، ہر کوئی اپنے اپنے اعمال کے حساب سے پسینے میں شرابور ہوگا، سورج انتہائی قریب آجائے گا۔ زمین سورج کی تپش کی وجہ سے تانبے کی طرح سرخ ہو جائے گی، ہر کوئی سائے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوگا، لیکن کہیں سایہ نہیں پائے گا۔ ایسے میں رب العالمین متقین کو اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا۔ چوتھا فائدہ:..... جنت میں داخلہ:

تقویٰ کا آخرت میں ایک عظیم فائدہ یہ بھی حاصل ہوگا کہ رب العالمین متقین کو اپنی جنتوں کا وارث بنا دیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝۶۳﴾

(مریم: ۶۳)

”یہ ہے وہ جنت جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو وارث بناتے ہیں جو متقی ہو۔“

اور سورۃ ”النازعات“ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝۳۱﴾ (النازعات: ۳۸، ۳۹)

”اور جو اپنے رب کے مقام سے ڈرا، اور اپنے نفس کو خواہش کی اتباع سے روکا تو

بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔“

جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے، روزِ حساب، اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے، اس لیے فرائض کی پابندی کرتا ہے، اور گناہوں سے بچتا ہے، اسے اس کا رب دو جنتیں عطا فرمائے گا، ایک ترکِ معاصی کے بدلے، اور دوسری عملِ صالح کے عوض کہا جاتا ہے کہ ایک کا نام ”جنت عدن“ ہے، اور دوسری ”جنت نعیم“ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِمَن خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٍ ۖ﴾ (الرحمن: ۴۶)

”اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو کر حساب دینے سے ڈرتا ہے، اس کے لیے دو باغ ہیں۔“

آخرت میں تقویٰ کی وجہ سے ملنے والے انعامات الہیہ کی فہرست ویسے تو بہت طویل ہے، لیکن اختصار کے پیش نظر ہم صرف ان پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم





علم اور تقویٰ

انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور

اسلامی اکادمی، الفضل مارکیٹ، 17-اردو بازار لاہور

فون: 042-7357587

WWW.IRCPK.COM